ریاست کا ساٹھ سالہ سیاسی دور

کشمیر کا سیاسی انقلاب

شبنم قیوم

پبلشرز:۔ کشمیر بک ڈپو (رجسٹرڈ) کشمیر

Kashmir

کشمیر کا سیاسی انقلاب

V.1

جلد اوّل

از ابتدائے مارچ ۱۹۲۴ء تا جون ۱۹۳۹ء

ایک تاریخ

ایک تحریک

ایک دستاویز

مُصنّف

شبنم قیّوم

Shabnam Qaiyam

کشمیر بک پوپلشرز، سرینگر، کشمیر

DS
485
.K2
Q18
1989
1-1

جملہ حقوق بحقِ مصنّف محفوظ ہیں

ترجمہ یا کسی طرح استعمال کرنے سے پہلے تحریری اجازت لینی ضروری ہے البتہ تبصرے کے لئے حوالہ جات دینے میں کوئی قید نہیں ہے : مصنّف

بار اوّل :. ۱۹۸۹ء

طباعت :. . . . . جے ، کے آفسٹ پرنٹرز ، جامع مسجد ، دہلی ۶

قیمت :. . . . . پچاس روپے ۵۰/-

مصنّف

شبنم قیّوم

بوچھوارہ ڈلگیٹ ، سرینگر کشمیر

ناشر

کشمیر بک ڈپو مولانا آزاد روڈ سرینگر کشمیر

اِنتساب

سر والٹر روپر لارنس کے نام !

عقیدت و احسان کے گہرے جذبات کے ساتھ جنہوں نے کشمیری عوام کی عزّت و آزادی کے لیئے اپنا نعرۂ حق اُس وقت بلند کیا جب کشمیر میں غلامی اور استبداد کے ناگ پھنکار کر کشمیریوں کو ڈس رہے تھے ، جنہوں نے بدنامِ زمانہ بیع نامہ امرتسر پر پہلی ضرب لگا کر کشمیریوں کو جمادات اور حیوانات کے گہرے کنوئیں سے نکال کر اُن کی انسانی شخصیت کی بازیافت کا پہلا پتّھر نصب کیا۔

شبنم قیّوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ اوّل

قوموں کی تاریخ کبھی میدانِ جنگ اور کبھی صرف سیاست سے ترتیب پاتی ہے۔ سپاہی کا قدم اور ادیب کا قلم اگر وقت پر حرکت نہیں کرے تو دونوں جگہوں پر مات کھانے کا اندیشہ رہتا ہے۔

جرنیل جنگ کے نقشے پر اور سیاست داں فکر کی جولانگاہ میں اگر کامیاب نہیں تو قوموں کے مقدر کا فیصلہ ان کے حوالے نہیں کیا جا سکتا۔

حالات اور واقعات گواہ ہیں کہ کشمیری قوم نے جن کے ہاتھ میں اپنے مقدر کے فیصلے کا اختیار دے دیا وہ فکر کی جولانگاہ سے بالکل عاری تھا نتیجہ کے طور پر ہم مات کھا گئے۔

دُنیا میں ایسے لوگوں کی کوئی کمی نہیں جو کہتے ہیں "مسئلہ کشمیر" حل ہو چکا ہے اور اُن لوگوں کی بھی کوئی کمی نہیں جو "مسئلہ کشمیر" کو حل طلب مانتے ہیں یہ تضاد بذاتِ خود اس بات کا گواہ ہے۔ ع

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

مسئلۂ کشمیر کو طے شدہ ماننے والے اور اس مسئلہ کو حل طلب جاننے والے دونوں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں اس لیے کہ کشمیر کی سیاست کا ملّاح ہمیشہ دو ناؤں پر سوار رہ کر آگے بڑھنے کی تگ و دو میں رہا جس کے کارن مسئلہ متنازعہ بن گیا۔

بقول ڈاکٹر جوزف کاربل "اگر کشمیر کی جنگ کسی علاقے کو حاصل کرنے کی جنگ ہوتی اگر یہ جنگ قومی وسائل، آبادی یا اہم مقامات پر قبضہ کرنے کی جنگ ہوتی یا اس کا مقصد اُن فوائد کو حاصل کرنا ہوتا جن کی وجہ سے قومیں ہمیشہ سے آپس میں لڑتی چلی آ رہی ہیں تو یہ مسئلہ کئی سال قبل حل ہو چکا ہوتا۔

لیکن اِن ساری صورتوں میں سے کوئی صورت بھی صحیح نہیں ہے جو چیز مسئلہ کشمیر کو ناقابلِ حل بناتی ہے اور دونوں متنازعہ فریقوں کے درمیان ایک تلخ کشمکش کا باعث بنتی ہے اور پھر جس چیز نے اس مسئلے کو حل کرنے کی تمام کوششوں کی تاریخ کو مایوسی، ناکامی اور جھنجھلاہٹ کی تاریخ بنا رکھا ہے وہ روایتی بین الاقوامی جھگڑوں میں سے قطعاً الگ ہے اس ساری تلخی، خون خرابے اور تند و تیز تقاریر اور شک و شُبہے اور عدم اعتماد کی فضا ــــ جو مسئلۂ کشمیر کے ساتھ مخصوص ہو چکی ہے، کی اصل وجہ دو نظام ہائے حیات، سیاسی تنظیم کے دو تصوّرات دو معیارات اقدار اور دو روحانی رُجحانوں کے درمیان کشمکش ہے جو سمجھوتے سے ختم نہیں ہو سکتی۔ اس تصادم اور کشمکش کا اظہار آج ایک مُہلک تنازعے کی صورت میں ہو رہا ہے ــــ وہ تنازعہ کشمیر جس کی علامت بھی ہے اور میدانِ جنگ بھی "۔

ہر گام پہ خون کے طوفاں ہیں ہر موڑ پہ بسمل رقصاں
ہر لحظہ ہے قتلِ عام مگر کہتے ہیں کہ قاتل کوئی نہیں

دسمبر ۱۹۷۱ء کی بات ہے میں دہلی میں چھٹیاں گزار رہا تھا اسی دوران مجھے بخشی غلام محمد سے پتہ چلا کہ شیخ محمد عبداللہ تحریک سے دستبردار ہو کر دوبارہ اقتدار حاصل کرنے کی دوڑ دھوپ کر رہے ہیں وہ اس کے لیے مسز اندرا گاندھی سے رابطہ بڑھانے کے لیے وہ سارے ذرائع استعمال میں لا رہے ہیں جن کی رسائی مسز اندرا گاندھی تک ہے ان کا ایک ذریعہ شری پریم ناتھ در ہے یہ وہی در صاحب ہیں جنھوں نے مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں تبدیل کرنے کے موقع پر نیشنل کانفرنس کو سُرخ رنگ کا ہل والا جھنڈا دیا تھا۔

میں نے بخشی صاحب کی باتوں پر اعتبار نہیں کیا لیکن رفتہ رفتہ حالات پر سے پردہ اُٹھنے لگا اور شیخ عبداللہ اپنے اصلی روپ میں سامنے آنے لگے ۱۹۷۵ء میں اس بات چیت کا نکتۂ عروج ہوا جو پچھلے چند برسوں سے اقتدار کی منتقلی کے بارے میں ہو رہی تھی۔ ایکارڈ کی تفصیلات سامنے آگئیں تو میں نے وزیرِ اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ کے خلاف مقدمہ درج کرنے کا فیصلہ کر لیا تاکہ ۹ اگست ۱۹۵۳ء سے لے کر ۲۰ فروری ۱۹۷۵ء تک ریاست میں جو قتل و غارت ہوا اس کا اُن سے جواب لیا جائے، میں نے اس کے لیے چند وکلاء سے مشورہ کیا تو مجھے بتایا گیا یہ "آ بیل مجھے مار" والی بات ہے۔ یہاں کی عدلیہ اتنی آزاد نہیں جتنا سمجھا جاتا ہے۔ وزیرِ اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ کو کوئی جج سزا دے گا ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔

وکلاء کی اس رائے سے میں مایوس ضرور ہوا لیکن میں پیچھے بھی نہیں ہٹا میں نے ۱۵ سوالات مرتب کر کے شیخ صاحب سے ان کے جواب مانگے جب وہاں سے کوئی جواب نہیں آیا تو میں نے یہ پندرہ سوالات پریس کو اشاعت کے لیے دیئے تاکہ عوام کو پتہ چلے کوئی شخص شیخ صاحب سے اس ذلت آمیز سمجھوتے پر اُن سے باز پُرس کر رہا ہے۔ لیکن سرینگر کے کسی اخبار نے ان سوالات کو چھاپنے کی جرأت نہیں کی، تب جا کر میں نے یہ سوالات ویکلی "نشیمن" بنگلور کو بھیج دیئے جو اُن دنوں کشمیر میں خوب چلتا تھا۔ اخبار نے یہ سوالات اگلے شمارے میں شائع کر دیئے تو اس اخبار سے نقل کر کے مقامی اخبار "روشنی" نے انھیں دوبارہ شائع کیا، شیخ صاحب کی طرف سے اگرچہ صدر الدین مجاہد نے اِن سوالات کے جواب دیئے لیکن وہ جواب سے زیادہ حقِ ادائیگی تھی، اسکے بعد شمیم احمد شمیم نے جو جوابات دیئے وہ بھی ٹرخانے والی بات تھی حالانکہ بعد میں شمیم صاحب نے اِس بات کا اعتراف کیا کہ سوالات ایسے تھے کہ کسی کے پاس اُن کا جواب نہ تھا۔

اِن سوالات و جوابات کے باوجود بھی جب میری تسلّی نہیں ہوئی تو میں نے حالات و واقعات جمع کر کے ایک کتاب لکھنے کا فیصلہ کر لیا یہ کتاب میں نے کشمیر ایکارڈ جسے LEAVE CHANCE کہنا زیادہ بہتر رہے گا۔ اس کی بنیاد بنا کر لکھنی شروع کی، جون ۱۹۷۵ء میں جب یہ کتاب "کس کا لہو ہے کون مرا؟" کے نام سے پریس میں چھپ رہی تھی تو کسی طرح یہ راز افشاء ہو گیا اور بیک وقت میرے گھر اور پریس پر چھاپہ مار کر اِس کتاب کے ساتھ دوسرا سارا ریکارڈ ضبط کر لیا گیا۔ اس کے بعد مجھے دس ہزار روپے میں خریدنے کی کوشش کی گئی لیکن میں نے پکے سے صاف انکار کیا تب کرائم برانچ سرینگر کی طرف سے مجھ سے UNDER TAKING لی گئی کہ میں شیخ صاحب کے جیتے جی اس کتاب کو منظرِ عام پر لانے کی کوشش نہیں کروں گا۔ میں نے کرائم برانچ کو یہ انڈر ٹیکنگ دے دی لیکن میں دوبارہ مواد جمع کرنے لگا۔ شیخ صاحب کی وفات کے ساتھ میں نے ضبط شدہ کتاب پر کام دوبارہ شروع کیا یہ کام ابھی جاری تھا کہ ریاست میں حالات تیزی سے بدلنے لگے۔ شیخ عبداللہ کے جانشین ڈاکٹر فاروق عبداللہ وزارت سے ہٹائے گئے۔ ان کی جگہ ان کے بہنوئی غلام محمد شاہ وزیرِ اعلیٰ کے عہدے پر فائز ہوئے۔ اِسی دوران میں دہلی میں کتاب چھاپ رہا تھا کہ ریاست میں گورنر راج نافذ ہو گیا۔

میری اس کتاب کے ساتھ ساتھ دوسرے ایک پریس میں شیخ عبداللہ کی "آتشِ چنار" بھی چھپ رہی تھی۔ شیخ صاحب کی کتاب پہلے ریلیز ہوئی۔ میری کتاب اگرچہ اس کے بعد منظرِ عام پر

آئی لیکن یہ میری توقعات سے کہیں زیادہ مقبول عام ہوئی۔ کشمیر کی تاریخ میں یہ پہلی کتاب بن گئی جس کے ایک کے بعد ایک چار ایڈیشن شائع ہوئے اور کتاب بلیک میں فروخت ہوئی۔ میری یہ کتاب جواب قریب قریب نایاب ہے اس کا ایسا چرچا ہوا جس کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا، اس کتاب کی اشاعت سے مجھے جو عزت اور شہرت ملی اس کا مجھے گمان بھی نہ تھا۔

میرے گھر پر آنے والوں کا تانتا بندھا رہا۔ ایسی بزرگ ہستیاں میرے پاس مجھے میری جرأت اور بیباکی پر مبارکباد دینے آئیں جن کے در کے اندر میں کبھی بغیر اجازت نہیں جا سکتا تھا۔ کئی سابقہ سیاست دانوں، علماء اور دانشوروں کے ساتھ بڑے بڑے عہدوں پر فائز آفیسروں نے بھی میری دعوتیں کیں اور بعض حضرات نے کشمیر کی سیاست کے ایسے گوشے میرے سامنے وا کیے جن سے میں چونکے بغیر نہ رہ سکا۔

جیسا کہ سبھی جانتے ہیں، میری کتاب "یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟" مقبول عام ہوئی لیکن ایسے لوگوں کی بھی کوئی کمی نہ تھی جنہوں نے اس کتاب کا ناول روپ پسند نہیں کیا ان کی رائے تھی کہ کتاب ناول کے بجائے تاریخی نوعیت کی دستاویز ہوتی تو زیادہ بہتر ہوتا۔ میں نے ان حضرات کی رائے پر غور کیا اور "کشمیر کی سیاسی تحریک" لکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ کیونکہ ۱۹۷۵ء سے میرے پاس کافی مواد جمع ہو چکا تھا۔

میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں اگر میں نے زندگی کے ڈھائی سال بخشی غلام محمد کے ساتھ انکی کوٹھی پر گزارے نہ ہوتے تو شاید میں اس پوزیشن میں نہ ہوتا جس نے مجھے تاریخ نویس بنا دیا۔

میں ۱۹۵۱ء سے ۱۹۵۳ء تک ڈپٹی وزیر اعظم بخشی غلام محمد کے ہاں ملازم تھا۔ اور دن رات بخشی صاحب کی کوٹھی پر ہی رہا کرتا تھا۔ بخشی صاحب اور ان کی فیملی، یہاں کے ہر چھوٹے بڑے ملازم کے علاوہ یہاں آنے والوں کے ساتھ میرے گہرے روابط تھے۔ اپنی ملازمت کے دوران میں نے یہاں اس کوٹھی میں کیا کیا دیکھا اور کیا کیا سنا وہ ایک الگ طویل داستان ہے۔

اگست ۱۹۵۳ء کے واقعہ سے دوسروں کی طرح میں بھی بخشی صاحب کے خلاف ہو گیا دوسروں کی طرح غلط فہمی کا شکار ہو کر میں بھی شیخ عبداللہ کو فرشتہ اور بخشی غلام محمد کو شیطان

سمجھنے لگا تھا۔ بخشی صاحب کے عہد وزارت تک میں ان پر کبھی ایمان نہیں لایا۔ لیکن جب آہستہ آہستہ حالات اُجاگر ہونے لگے تو بخشی صاحب کے پاس جانے کا میں نے ارادہ کر لیا لیکن شرمندگی کا یہ عالم تھا کہ اگر کہیں اچانک بخشی صاحب سے مڈبھیڑ ہو جاتی تو اپنا چہرہ چھپا لینا پڑتا۔

صادق صاحب کے دور وزارت میں دہلی کے اُردو ڈائجسٹ "عارض" کے لیے غلام محمد صادق سے انٹرویو لینے کے سلسلے میں یہاں آنا جانا ہوا۔ صادق صاحب نے دوران ملاقات میرے سامنے ایسے انکشافات کیے جن میں سے بعض کی تصدیق کے لیے مجھے بخشی صاحب کے پاس جانا پڑا اور میں نے ساری شرم بالائے طاق رکھ کر ان کے در پر حاضری دی۔

بخشی غلام محمد اس دوران نہ صرف سیاست سے بلکہ دُنیا سے بھی بیزار تھے، موئے مقدس کے واقعہ نے انہیں گویا جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ کسی سے سیدھے منہ وہ بات ہی نہیں کرتے تھے۔ میں نے غلط فہمی کے باعث اپنی شرمندگی کا اظہار کر کے ان سے معافی مانگ لی تو وہ نرم پڑ گئے اور رفتہ رفتہ وہ مجھ سے گھل مل گئے ——— میں مہینے میں دو چار بار ان سے ضرور مل لیتا اور اُن سے اُن کے ماضی کو کرید لیتا۔

بخشی صاحب کے ہاں ملازمت کے دوران میں اس بات سے بخوبی واقف تھا وہ خالی وقت میں اپنی یادداشت نوٹ کر کے اس کے ساتھ بعض دستاویز نتھی کرتے تھے، چنانچہ اقتدار سے محروم ہونے کے دوران جب میں نے ان سے اس دستاویز کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے مجھے بتایا وہ کام تقریباً مکمل ہے اور اسے میں کتابی صورت میں چھاپنے کی سوچ رہا ہوں، فی الحال یہ مسودہ میں نے نظر ثانی کے لیے پیر افضل مخدومی کے حوالے کیا ہے۔

بخشی صاحب نے اپنی یادداشت کے مطابق شیخ محمد عبداللہ کے بارے میں مجھے بہت ساری معلومات بہم پہنچائے، کئی اہم واقعات کو میں نے ضبط تحریر میں لانا مناسب نہیں سمجھا۔ لہٰذا انہیں اپنے سینے میں دفن کر لیا۔

بخشی صاحب کے ہاں زندگی کے ڈھائی سال گزارنے سے میں نابالغی میں بالغ ہو گیا۔ اس مدت کے دوران مجھے زندگی کا جو تجربہ ہوا وہ ساری زندگی میں نہ ہو سکا۔ میں کبھی بخشی صاحب کا ملازم نہ ہوتا تو میرے سامنے سیاست کے تاریک گوشے روشن نہ ہوتے اس روشنی میں مجھے نئی دُنیا دیکھنے کا موقع مل گیا۔ بخشی غلام محمد کی قربت سے میں خواجہ غلام محمد صادق، شری ڈی پی دھر اور ایسے بعض اشخاص سے ایسا مواد حاصل کر سکا جس کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔

جون ۱۹۷۵ء کے بعد جب میں دوبارہ مواد جمع کرنے لگا تو میرا خیال تھا میری ضبط شدہ کتاب اب شاید مجھے واپس نہیں ملے گی لیکن شیخ صاحب کے رحلت فرمانے کے بعد حالات نے پلٹا کھایا اور میرا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا۔

کئی برگزیدہ ہستیوں نے کشمیر کی تحریک حرّیت کو ناول کے بجائے تاریخی کتاب کے روپ میں لکھنے کا مشورہ دیا تو اُسے میں نے ایک چیلنج کے طور پر قبول کر لیا۔ پہلے مرحلے پر میں نے کشمیر کی تحریک حرّیت پر اب تک شائع شدہ کتابیں جمع کر لیں اور اس کے بعد وہ میگزین اور اخبارات حاصل کر لیے جن میں اس قسم کا مواد موجود تھا۔ میرے سامنے جب کتابوں رسالوں اور اخبارات کا ایک انبار جمع ہو گیا تو میں نے اپنے آپ کو ایک سمندر میں پایا اس سمندر سے نکلتا تو اپنے آپ کو آرکائیوز لائبریری یا کتب خانے میں پاتا اس سلسلے میں مجھے کئی بار وادیٔ کشمیر میں کئی جگہوں کے ساتھ جموّں ، امرتسر، دہلی اور بمبئی بھی جانا پڑا۔ تحریک حرّیت کے ساتھ وابستہ افراد کے ہاں جا کر میں نے انہیں کریدا اور جتنا ہو سکا ان سے مواد حاصل کر لیا، میں نے کشمیر کا سیاسی انقلاب لکھنا شروع کیا تو میرا خیال تھا یہ ایک کتاب بن جائے گی لیکن جب حالات اور واقعات منہ پھاڑے میری طرف دیکھنے لگے اور کہنے لگے ہمیں نظر انداز نہ کرو تو کتاب کئی جلدوں میں لکھنے کا فیصلہ کر لیا تاکہ آنے والی نسل کے لیے یہ ایک دستاویز بنے اور ہماری موجودہ نسل کو یہ جاننے کا موقع ملے کہ ہماری تحریک کو کب کیا ہوا؟ اور اس کے ساتھ کب کس نے کیا کیا؟

کشمیر میں تاریخ لکھنا کتنا کٹھن اور مشکل کام ہے، اسکا اندازہ مجھے اس سمندر میں تر کر ہی ہوا خاص طور پر ایک ایسے شخص کے لیے جسے خود ہی آٹے دال کا بھاؤ معلوم کرنا پڑے۔ راشن لانا پڑے چولہے کے لیے لکڑی اور کانگڑی کے لیے کوئلے ڈھونڈنا پڑیں۔ سبزیاں لانے کے لیے بازار جانا پڑے اور اس پر ضروریاتِ زندگی پوری کرنے کے لیے پیٹ پر پتھر باندھنا پڑے، ایسا شخص جو اپنی نجی آمدنی سے گھر کی گاڑی چلانے میں مشکلات اور دشواریوں کا سامنا کر رہا ہو اُسے قیمتی کتابیں خریدنا پڑیں فوٹو گراف جمع کرنا پڑیں اور سفر خرچ برداشت کرنا پڑے۔ تو آدمی ٹوٹ جاتا ہے۔

میں سمجھتا ہوں جو لوگ کوٹھیوں میں رہ کر ایسی کتابیں لکھنے کے لیے صحت افزا مقامات پر ہوائی جہازوں میں سوار ہو کر جاتے ہیں ان کے لیے کوئی کتاب لکھنا مشکل کام نہیں، مشکل کام میرے لیے ہے جو ہزار مشکلات میں گھیر کر اس وادی میں رہتا ہے جہاں آزادی کے چالیس سال بعد بھی پانی اور بجلی کا مسئلہ حل نہیں ہوا ہے جو وادی چھ مہینے اندھیرے میں ڈوبی رہتی ہے۔

میں اُس وادی میں رہتا ہوں جہاں قلمکار کی کوئی قدر نہیں ان کے لیے کوئی سہولت نہیں۔ ہماری اسٹیٹ کا آرکائیوز محکمہ بالکل غیر مفید ہے یہاں صرف ۱۹۴۷ء تک کا ریکارڈ دیکھنے کی اجازت ہے ۱۹۴۷ء کے بعد کے ریکارڈ کو دیکھنے کی پابندی کیوں لگا دی گئی ہے۔ سمجھ سے بالاتر ہے۔

چونکہ میرے سامنے یہ ایک چیلنج تھا۔ میں نے عزم صمیم کے ساتھ اسے قبول کر لیا جس کام پر برسوں لگتے ہیں اس کو میں نے صرف دو سال کے عرصے میں پورا کر دیا۔ میں اُن احباب کا بہت مشکور رہوں جنھوں نے مجھے اس سلسلے میں اپنا بھرپور تعاون دیا۔ اور مواد فراہم کیا یا مواد فراہم کرنے میں میری مدد کی ان میں جناب اس اختر، محمد یوسف ٹینگ، عبدالعزیز روشنی، غلام رسول حسرت گڑھ، موتی لال ساقی، غلام حسن مسعودی، غلام محمد نور محمد تاجران کتب، کلیم الدین، پروفیسر نورالدین، علی محمد بٹ عرف طورہ عبدالرشید داماد حکیم حبیب اللہ سابقہ ایس پی ابن مہجور غلام محی الدین رہبر قابل ذکر ہیں

میں خواجہ عبدالصمد وانی ایڈیٹر "ویکلی کشمیر" کا بے حد ممنون ہوں جنہوں نے مجھے راولپنڈی سے مواد فراہم کرنے میں فراخدلی کا ثبوت دیا۔ اس کے ساتھ ان افراد کا میں ممنون ہوں جنہوں نے مجھے کئی اہم کتابیں فراہم کیں اپنے کتب خانے وقف رکھنے کے ساتھ کافی مواد بھی پیش کیا لیکن نام و پتہ پوشیدہ رکھنے کی تاکید کی۔

میں پیرزادہ غلام احمد شونٹھو، غلام محمد چکن، پیر افضل مخدومی، نذیر احمد خان، علی محمد کمبلیز کا بے حد مشکور ہوں جنھوں نے اپنی معلومات کا خزانہ میرے سامنے کھول کر رکھ دیا۔ میں یقیناً ناشکر گزار رہوں گا اگر میں مرحوم بخشی غلام محمد، مرحوم غلام محمد صادق اور سورگیہ شری ڈی، پی در کا ذکر نہ کروں جنھوں نے اپنی زندگی میں مجھے کشمیر کی سیاست کے رازوں سے واقف کرایا۔

"کشمیر کا سیاسی انقلاب" پر کئی جلدوں میں جو مواد میں عوام کے سامنے پیش کر رہا ہوں یہ سب اُس سمندر سے حاصل کیا گیا ہے جو سمندر میں نے خود بنایا اور جس میں ڈوب کر میں اُبھر آیا۔ ان بھی جلدوں میں آپ کو بے شمار نئے انکشافات ملیں گے بعض انکشافات کے بارے میں آپ کو میرے بارے میں ضرور شک گزرے گا کہ میں کوئی جاسوس ہوں۔ گورنمنٹ آف انڈیا کا ایجنٹ ہوں یا وہ مافوق الفطرت انسان ہوں جو ایسی جگہوں پر پہنچ کر حالات اور واقعات اٹھا لایا ہے جہاں دوسروں کے پَر جل جائیں گے ـــــ، اس بارے میں میرا یہ کہنا کافی ہوگا کہ نہ میں کوئی جاسوس ہوں اور نہ ہی کسی گورنمنٹ کا ایجنٹ البتہ اس بارے میں جو مواد مجھے فراہم کیا گیا

اس نے میرے بارے میں شک کرنے کی گنجائش ضرور پیدا کر دی۔

مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ کشمیر کا سیاسی انقلاب جو ۱۹۲۴ء سے لیکر ۱۹۸۲ء تک کا احاطہ کیے ہوئے ہے اس میں اول سے آخر تک شیخ محمد عبداللہ چھائے ہوئے ہیں۔ دراصل کشمیر کی سیاسی تحریک شیخ محمد عبداللہ کے گرد گھومتی ہے۔ شیخ عبداللہ کی شخصیت کے بغیر ہماری تاریخ اور تحریک نہ ہونے کے برابر ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ شیخ صاحب ہی ہماری تاریخ اور تحریک ہیں تو یہ غلط نہیں ہوگا، اس لیے میری کتاب کی ان سبھی جلدوں میں وہ چھائے ہوئے ملیں گے۔

شیخ محمد عبداللہ کے بارے میں اب تک جتنا کچھ لکھا گیا ہے، میرے خیال میں اتنا اور کسی پر نہیں لکھا گیا ہوگا۔ دراصل شیخ عبداللہ کی زندگی میں جو تضاد ہے وہ کہیں بھی ڈھونڈے سے نہیں ملے گا یہی وجہ ہے کہ ان پر بہت زیادہ لکھا گیا اور لکھا جا رہا ہے۔

میں نے شیخ محمد عبداللہ کو سمجھنے کی بہت کوشش کی اور انھیں ان کے اصلی روپ میں عوام کے سامنے پیش کیا ہے یہ دوسری بات ہے کہ میں خود سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ان کا اصلی روپ کیا تھا۔

کشمیر کی سیاسی تحریک جسے کئی مصنفین نے مختلف ناموں سے تحریر کیا ہے اس پر اب تک جو کچھ بھی لکھا گیا ہے اگر اس میں دیانت داری سے کام لیکر مصلحت سے بالاتر ہو کر قلم اٹھایا گیا ہوتا تو کشمیر کی تحریک حریت اور شیخ محمد عبداللہ کو سمجھنے میں آسانی ہو گئی ہوتی۔ بعض اہم واقعات اور حالات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے اور بعض کو سرے سے ہی ہڑپ کرنے میں بعض مصنفین نے یقیناً بددیانتی اور بزدلی سے کام لیا ہے۔ بیشتر کتابیں اور مقالے اس موضوع پر غیر ریاستی مصنفین نے لکھے ہیں ان میں مصلحت پسندی صاف جھلکتی ہے۔ ہماری ریاست میں جو تین سوانح حیات منظر عام پر آ چکی ہیں ان میں شیخ عبداللہ کی "آتش چنار" سید میر قاسم کی "داستان حیات" اور کامریڈ کرشن دیو سیٹھی کی "یاد رفتہ" ہیں۔

"آتش چنار" تحریک حریت کی آڑ میں اپنی قصیدہ خوانی ہے۔ اشاعت سے قبل اس کی جو کاٹ چھانٹ کی گئی ہے اور پچاس کے قریب صفحات اس سے نکال دیئے گئے ہیں۔ اس کا اس کتاب پر خاصا اثر پڑا ہے۔ "داستان حیات" کے لکھنے کا ایک خاص مقصد اُجاگر ہوتا ہے، وہ یہ کہ نیشنل کانفرنس کی لیڈر شپ کی خوشنودی حاصل کر لی جائے جو مقصد پورا نہ ہو سکا "یاد رفتہ" اگرچہ مصنف کے نظریات کی ترجمانی کرتی ہے پھر بھی اس میں مصلحت پسندی کی کوئی

علامت نظر نہیں آتی اس لحاظ سے "یاد رفتہ" بے لاگ ہے۔

تحریک حریت پر خواجہ ثنار اللہ بٹ "آفتاب" نے "کشمیر ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۷ء تک" لکھ کر کئی اہم گوشوں پر سے پردہ ہٹایا ہے۔ اپنی نوعیت کی یہ ایک اہم دستاویز ہے۔ صوفی محی الدین نے "کشمیر ۱۹۳۱ء سے ۱۹۷۷ء تک" نامی کتاب لکھی ہے جو ایک خاص مقصد اور نکتہ نگاہ سے لکھی گئی ہے اس میں نہ صرف حقائق چھپائے گئے ہیں بلکہ حالات اپنے موافق بنا کر پیش کیے گئے ہیں۔

کشمیر کی تحریک حریت پر جو سب سے بڑا اور اہم کام اب تک وادی میں ہو چکا ہے وہ رشید تاثیر نے کیا ہے۔ انھوں نے "تحریک حریت کشمیر" کی تین جلدیں پیش کر کے یقیناً بعض اہم گوشوں پر پردہ ہٹا کر عوام کے سامنے ایک آئینہ رکھ دیا ہے۔ میں ناشکر گزار ہوں گا اگر میں یہ نہ کہوں کہ رشید تاثیر کی کتاب "تحریک حریت کشمیر" سے مجھے کافی استفادہ ہوا۔ البتہ مجھے یہ کہنے میں بھی کوئی پس و پیش نہیں کہ رشید تاثیر نے جو مواد فراہم کیا ہے وہ ناممکنی ہے اور میرا دعویٰ ہے کہ اس سمندر سے جتنے اہم اور قیمتی موتی میں نکال لایا ہوں اتنے تاثیر بھی نہیں نکال سکا ہے، ہو سکتا ہے کوئی غوطہ خور مجھ سے بھی زیادہ قیمتی اور نایاب موتی نکالنے میں کامیاب ہو لیکن اس کی بدولت "کشمیر کا سیاسی انقلاب" اور "شیخ محمد اللہ" کو سمجھنے میں بہت مدد مل سکے گی۔ میرا دعویٰ کتاب کی سبھی پانچوں جلدیں پڑھنے کے بعد صحیح ثابت ہوگا۔ انشاء اللہ فاروق عبداللہ کے دور حکمرانی پر کام اس کے بعد شروع ہوگا۔

شبنم قیوم

جو زخم مندمل تھے وہ پھر تازہ ہو گئے
دیمک زدہ کتاب میں کچھ سوکھے پھول تھے



تحریک حرّیت کے بانی سعدالدین شال

باب (۱)

ریاست میں تحریکِ حرّیت کا آغاز

اِبتدا کی راہوں سے انتہا کی منزل تک
زندگی کے دامن پر کیسے کیسے داغ آئے

جُز :

صفحہ

۱۔ ڈوگرہ حکومت سے انگریزوں کی ناراضگی کا بدلہ ——— ۲۱

۲۔ تحریکِ حریت کا آغاز اور اس کا پس منظر ——— ۲۵

۳۔ مہاراجہ کی وزارت میں رسہ کشی اور بنرجی کی بغاوت ——— ۳۱

۴۔ ریڈنگ روم سرینگر، ایک تجزیہ ——— ۳۷

۵۔ ینگ مینز ایسوسی ایشن جموں، منظر اور پس منظر ——— ۴۳

۶۔ توہینِ مذہب اور توہینِ قرآن ——— ۴۹

۷۔ مولوی یوسف شاہ کا سیاست میں ورود، اور عبدالقدیر کی شمولیت ——— ۵۳



مہاراجہ گلاب سنگھ جی بہادر



مہاراجہ ہری سنگھ جی بہادر

دیکھا ہے عشق ہی میں یہ عالم بھی بار بار
جس کا معاملہ ہو اسی کو خبر نہ ہو

ڈوگرہ حکومت سے انگریزوں کی ناراضگی کا بدلہ

کشمیر میں ڈوگرہ شاہی کے خلاف تحریک کا آغاز باضابطہ طور پر مارچ ۱۹۲۷ء میں ہوا، یہ وہ زمانہ تھا جب بنگال سے سر ایلبین بنرجی یہاں ریاست کے پرائم منسٹر مقرر ہوئے، ان کے پرائم منسٹر بنتے ہی کونسل اُڑا دی گئی، ممبران منسٹر کہلانے لگے، چودھری چتر سنگھ مہتمم بندوبست مقرر ہوا۔

برطانیہ سے مہاراجہ ہری سنگھ مسٹر ویکفیلڈ اور دوسرے آفیسروں کے ہمراہ یہاں پہنچ گئے تھے اور انھوں نے وائسرائے کی متوقع آمد کے سلسلے میں اُن کا استقبال کرنے کی تیاریاں شروع کی تھیں۔

مہاراجہ گلاب سنگھ کا ۱۸۵۷ء میں انتقال ہوا تو ان کی جگہ رنبیر سنگھ یہاں کا راجہ بن گیا ان کے بعد مہاراجہ پرتاپ سنگھ حاکم بنا دیا گیا۔ ۱۹۲۵ء میں یہ بھی لاوارث فوت ہوا تو راج گدّی مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے بھتیجے سر ہری سنگھ کو سونپ دی گئی۔ ہری سنگھ کا پیرس میں قیام کے دوران اُن کا ایک کافر حسینہ سے عشق ہوا پہلی ہی نظر میں ہری سنگھ اس پر لٹ گئے۔

دراصل اس اوباش لڑکی نے ہری سنگھ کو پھنسانے کے لیے اپنے حُسن کا جال اُن پر پھینک دیا جس میں وہ بالکل آسانی سے پھنس گئے یہ لڑکی دراصل ہری سنگھ سے نہیں بلکہ ان کی دولت سے عشق کر رہی تھی اور وہ ہری سنگھ کے اتنی نزدیک رہی کہ یہ لڑکی اُمید سے ہوگئی پیرس کے اخبارات نے اس واقعہ کو خوب پبلسٹی دی۔ اس پبلسٹی کے پس پردہ اسی لڑکی کا ہاتھ تھا۔
ریاست جموں وکشمیر کے ولی عہد کا دامن داغدار ہوا، انھیں نجات کی کوئی راہ سجھائی نہ دی تو



مہاراجہ پرتاپ سنگھ جی بہادر

وہ بدنامی سے بچنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے لگے۔

ہری سنگھ کو بلیک میل کرنے کے لیے اس اوباش لڑکی نے اخبارات میں مسٹر "کے" کے نام سے مشہور کیا آخر بات عدالت تک جا پہنچی اور ۲۲ لاکھ روپے دے کر ہری سنگھ نے اپنی جان چھڑائی اس واقعہ سے غصّہ کھا کر ہری سنگھ نے پیرس سے واپس آتے ہی ریاست کے انگریز ریذیڈنٹ کو یونین جیک سمیت ریاست سے نکال دیا۔ اتنا ہی نہیں وہ برطانوی حکومت کو للکارنے لگا۔ چنانچہ ہندوستان میں مقیم برطانوی اقتدار اعلیٰ نے سرینگر میں مقیم اپنے انگریز ایجنٹوں اور بعض ہندوؤں کی طرف سے یہ پروپیگنڈا کرایا کہ مہاراجہ کو ہندو دھرم کا کوئی پاس نہیں وہ مسلمانوں کے اشاروں پر ناچ رہا ہے۔ مسلمانوں میں یہ بات پھیلا دی کہ وہ مسلمانوں کا کٹر دشمن ہے۔ ان کے حقوق غصب کر رہا ہے۔

اس طرح ان شاطر انگریزوں نے ہندو اور مسلمان کو مہاراجہ کے خلاف اُکسایا۔ اس کشمکش میں ۳۰ مارچ ۱۹۲۷ء کو وائسرائے لارڈ اروِن اور لیڈی اروِن سرینگر تشریف لائے تو مہاراجہ ہری سنگھ نے ان کے استقبال میں وہ گرمجوشی نہیں دکھائی جو ان سے پیشتر کے وائسرایوں کو دکھاتے آئے تھے۔

وائسرائے لارڈ اروِن اور ان کی لیڈی کو ویر سے دریائی جلوس کی صورت میں اور پھر سڑک کے راستے موٹر کاروں کے جلوس میں شاہی محل لایا گیا۔ یہ پہلا موقع تھا جب وائسرائے کے استقبال میں توپیں داغی نہیں گئی تھیں۔ وائسرائے نے اس بات کا نوٹس تو لیا مگر مہاراجہ کے سامنے اس کا اظہار نہیں کیا۔

مہاراجہ ہری سنگھ نے اس طرح انگریز وائسرائے کے استقبال میں کمی کر کے ان سے ایک طرح کا بدلہ لیا لیکن وائسرائے کے دل میں یہ بات بہت دنوں تک کانٹے کی طرح کھٹکتی رہی آگے جا کر یہی بات مہاراجہ اور انگریزوں کے درمیان اختلاف کی بنیاد بن گئی، یہ اختلاف کبھی سرد ہوا تو کبھی

اس میں گرمی بھی آگئی، مہاراجہ کی حکومت کو پریشان کرنے میں انگریز نت نئی چالیں چلنے لگے۔

مخالفت نے اس وقت شدّت اختیار کر لی جب چار برس بعد وائسرائے ہند لارڈ اروِن کا ایک ساتھی اور مسز اروِن کا رشتہ دار میجر ابیٹ اپنی چھٹیاں گزارنے کشمیر آیا وہ سرینگر میں نسیم باغ کے پاس ایک ہاؤس بوٹ میں قیام پذیر ہوا۔ ان کے ساتھ ریاست رامپور کے ایک پٹھان گھرانے سے تعلق رکھنے والا جوان عبدالقدیر خان بطور ملازم آیا تھا۔ اس سے قبل عبدالقدیر خاں کلکتہ میں ایک انگریز کرنل جے رچرڈ کے ہاں ملازم تھا۔ کلکتہ میں قیام کے دوران عبدالقدیر خان اپنے مالک کے ساتھ اکثر و بیشتر "وانی برادرس" کی دکان پر آیا کرتا تھا۔ وانی برادرس دراصل ایک قسم کی ایمپوریم تھی جس میں کشمیری شال، ہینڈی کرافٹس اور پیپر ماشی کا سامان فروخت ہوتا تھا۔ کشمیری مصنوعات کی یہ بڑی دُکان خواجہ غلام محمد صادق اور غلام محی الدین قرہ کے والدین کی مشترکہ دکان تھی۔ خواجہ غلام محمد صادق کے والد حاجی عبدالغفار وانی سرینگر سے مال بھیجا کرتے تھے اور خواجہ احمداللہ وانی کلکتہ میں قیام پذیر تھے، ۱۹۲۸ء میں "وانی برادرس" نے کلکتہ میں کاروبار بند کیا۔

۱۹۳۱ء میں جب عبدالقدیر خان میجر ابیٹ اور ان کی بیوی کے ساتھ یہاں آئے تو میجر ابیٹ نے یہاں کے بااثر لوگوں سے رابطہ بڑھانے کو کہا، چنانچہ سب سے پہلے ان کی نگاہ خواجہ احمداللہ قرہ پر پڑی اور وہ ہاؤس بوٹ کے مالک کی وساطت سے بٹہ مالنہ میں خواجہ احمداللہ قرہ سے ملے۔

رشید تاثیر نے "تحریک حرّیّت کشمیر" جلد اوّل صفحہ ۹۷ میں لکھا ہے کہ:

"۱۹۶۵ء میں خواجہ غلام محیّ الدّین قرہ نے ہفتہ وار "محافظ" کے لیے ایک انٹرویو دیتے ہوئے مجھ سے کہا، عبدالقدیر نام کا ایک پٹھان جو کسی انگریز کے ساتھ یہاں آیا تھا، ۱۳ جولائی کے واقعہ سے قبل اکثر ہمارے پاس پیر عبدالاحد شاہ کی دُکان پر ملنے آیا کرتا تھا، عبدالقدیر سے میری ملاقات اسی دُکان پر ہوئی، اُن دنوں میرے علاوہ غلام محمد صادق، حسین خاں سلطان دوپٹہ، ناصر خاں اور مظفر خان (جو ۱۹۴۷ء میں جموں میں جج تھے فرقہ وارانہ فساد میں وہیں شہید کیے گئے) اس دُکان پر بیٹھ کر باہمی تبادلہ خیالات کیا کرتے تھے۔"

ممکن ہے غلام محی الدین قرہ نے اپنی یادداشت کے مطابق ایسا ہی کہا ہو لیکن حقیقت میں عبدالقدیر خان ان کے گھر آیا جایا کرتے تھے اور ان کے والد صاحب سے کشمیر کی سیاست کے بارے میں تفصیلات حاصل کرتے تھے، عبدالقدیر خاں خواجہ احمداللہ قرہ کی وساطت سے

شیخ عبداللہ سے ملنا چاہتے تھے، کیونکہ چھٹیاں گزارنے کی غرض سے میجربٹ مہاراجہ ہری سنگھ سے وائسرائے لارڈ اروِن اور لیڈی اروِن کے ساتھ نامناسب برتاؤ کا بدلہ لینے کا ارادہ لیے ہوئے تھے، شاید وائسرائے ہند توپیں نہ داغنے کی بے عزّتی کا نوٹس نہ لیتے یا نوٹس لینے کے بعد شاید وہ اس مسئلے کو اتنی اہمیت نہ دیتے اگر ان کے کشمیر سے جانے کے چند ماہ بعد مہاراجہ ہری سنگھ کی مہارانی تارا دیوی کے ساتھ شادی کے موقع پر انھیں ۲۱ توپوں کی سلامی نہیں دی گئی ہوتی۔

وائسرائے لارڈ اروِن نے مہاراجہ کو شادی کی کوئی مُبارکباد نہ بھیج کر اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔

مہاراجہ ہری سنگھ کی شادی کے جشن کے بعد جو پہلا دربار لگا اس میں جاگیرداروں، ذیلداروں، رئیسوں، امیروں، اعلیٰ آفیسروں اور دیگر معززینِ شہر نے شرکت کی اس دربار میں مہاراجہ کی خدمت میں نذرانے پیش کر کے انھیں شادی کی مبارکباد دی گئی یہ دربار خصوصی شان و شوکت کا حامل تھا ملکی مفادات کے علاوہ دربار میں سیاسی قیدیوں کی رہائی اور اُن کو معافی دینے کا معاملہ زیرِ بحث آیا۔

خواجہ سعدالدین شال اور خواجہ حسن شاہ نقشبندی کو حاضرِ دربار کیا گیا، ان کی طرف سے ملٹری سکریٹری کرنل ہوشیار سنگھ نے مہاراجہ بہادر کے سامنے معافی نامہ پڑھ کر سُنایا چنانچہ مہاراجہ بہادر کی طرف سے انھیں قصور معاف کرنے کا حکم سُنایا گیا۔



خواجہ سعدالدین شال

رو کو کوئی کہ عشق ہے شعلوں کا طلبگار
اپنی عقیدتوں کا چراغاں کیے ہوئے

تحریکِ حرّیت کا آغاز اور اُس کا پسِ منظر

خواجہ کور شاہ نقشبندی کو ذیلداری کے منصب سے برطرف کیا گیا تھا۔ مولوی عتیق اللہ، مولوی احمداللہ ہمدانی اور سید حسین جلالی کو دربار داری کی فہرست سے خارج کیا گیا تھا۔

اپریل ۱۹۲۴ء میں ریشم خانہ کے مزدوروں نے ظلم و جبر کے خلاف آواز بلند کی، ریشم خانہ میں اکثریت مسلمان مزدوروں کی تھی جو غیر مسلموں کے جَور و ظلم کے شکار تھے۔ اس وقت مہاراجہ پرتاپ سنگھ تخت پر براجمان تھے اور ہری سنگھ ان کے ایک صلاح کار تھے ریشم خانہ کے مزدوروں پر جب ظلم و جبر بامِ عروج پر پہنچ گیا تو انہوں نے اس کے خلاف احتجاج کیا اور جلوس کی صورت میں میدان کارزار میں نکل پڑے پولیس اور فوج نے ان کا پیچھا کیا، پکڑ دھکڑ شروع ہوگئی مزدور حضوری باغ میں جمع ہوگئے حکومت نے رسالہ فوج کو ان پر چڑھائی کرنے کا حکم دیا ایک بھگدڑ مچ گئی بہت سے مزدور زخمی ہوگئے۔ فوج کے ساتھ تصادم میں کئی سپاہی بھی زخمی ہوگئے۔ ڈوگرہ شاہی کے خلاف یہ پہلا احتجاجی مظاہرہ تھا جس میں بہت سارے لوگ اور کئی سپاہی زخمی ہوگئے۔

ریشم خانہ کے اس فساد کی تحقیقات کرانے کے لیے ایک پنجابی مسلمان چوہدری نیاز احمد کو تحقیقات کے لیے اسپیشل جج مقرر کیا گیا جس نے حکومت کے اشارے پر رپورٹ پیش کرنے میں طول دے دیا۔ مزدور سخت عاجز آگئے، ذریعۂ معاش نہ ہونے کی وجہ سے وہ بھوک کے شکار ہوگئے

مزدور واپس کام پر لوٹ آئے مگر ان کے لیڈروں کو چھ چھ مہینے قید سخت کی سزا سنائی گئی اس سے مزدوروں اور آفیسروں کے درمیان تناؤ پیدا ہو گیا۔

وائسرائے کی آمد کے موقع پر مظاہرہ کرنے کا خفیہ پلان بنایا گیا۔ سیاہ جھنڈے اور سفید بینرز کے لیے چندہ جمع کیا گیا۔ دریائی جلوس کے روز خانقاہ معلّیٰ کے پاس خواجہ نور شاہ، محمد عثمان اور محی الدین گنگو سیاہ وردی پہن کر گھاٹ پر متعین کیے گئے۔ دوسرے لوگوں کے ہاتھوں میں سیاہ جھنڈیاں دی گئیں اور ایک آواز پر ان جھنڈوں کو اس وقت کھولنے کے لیے کہا گیا جب وائسرائے کی سواری نزدیک پہنچ جائے ۔ احمد پٹرو اور گلہ ناتھ کو وائسرائے کے قریب آنے پر بینر کھولنے پر مقرر کیا چنانچہ جب اس دریائی جلوس کی سواری خانقاہِ معلّیٰ کے قریب پہنچ گئی تو یکایک فریاد فریاد" کی آوازیں گونجنے لگیں اور بینر کھلنے لگے اور جھنڈے لہرانے لگے۔ پولیس اچانک اس صورت حال کو دیکھ کر ششدر رہ گئی لیکن جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔

مُعزز بن شہر اور علمائے دین نے مسٹر گلینسی اور سر جان وُڈ کے مشورے سے ایک میمورنڈم ترتیب دیا اس پر سعد الدین شال، خواجہ حسن شاہ نقشبندی، مولوی عتیق اللہ سید حسین شاہ جلالی، میرواعظ مولوی احمد اللہ ہمدانی اور مولوی شریف الدین نے دستخط کیے اور یہ میمورنڈم وائسرائے ہند سر لارڈ ریڈنگ کو پیش کیا تاکہ وہ ان شکایات اور مطالبات کی تحقیقات کروا کر ان کا ازالہ کرائیں۔

وائسرائے نے میمورنڈم پڑھ کر اسے اپنی سفارش کے ساتھ دربار کشمیر کو بھیجدیا۔ وائسرائے ہند کی خدمت میں جو میمورنڈم پیش کیا گیا حسب ذیل ہے :۔

(۱) مسئلہ حقِ ملکیت ہمیشہ کے لیے فیصل کیا جائے اور صوبہ کشمیر کے باشندوں کو اپنا حقِ ملکیت واپس عطا فرمایا جائے۔

(۲) کونسل میں مُسلم عنصر کا اضافہ قوتِ آبادی کے مطابق کیا جائے۔

(۳) ریاست کی ملازمت کے لیے پنڈتوں کی بھرتی آئندہ کے لیے بند ہونی چاہیے اور انتظام ریاست میں مسلمانوں کو اپنا حصّہ ملنے کے قابل بنانے کی خاطر تمام آسامیاں موجودہ ملازموں کی جو پنشن یابی، موت یا برطرفی سے خالی ہو جائیں مقامی مسلمانوں کے لیے مخصوص رکھی جائیں۔

(۴) اس ریاست میں ہندو اہلکاروں کی ایک بہت بڑی تعداد موجود ہے جو مسلّمہ طور پر راشی، بیدرد بے مروّت اور متعصب ہیں اور جو ملازمت کے لیے محض ناقابلِ فہم ہیں لیکن ان کے آفیسر

ان کے ہم مذہب ہیں، لہٰذا ان کی قابلیت پر چشم پوشی کرتے ہیں اس سے سرکاری کام کاج میں بڑا حرج ہوتا ہے ایسے ملازموں کی قابلیت پرکھنے کے لیے ایک کمیٹی مقرر کی جائے اس سے نہ صرف قابلیت کا معیار بلند ہوگا بلکہ مسلمانوں کو ریاست کی ملازمت میں بھرتی ہونے کا موقع فراہم ہوگا اور مسلمان آبادی، رشوت ستانی استحصال بالجبر اور دوسری سختیوں سے بچ جائے گی۔

(۵) گورنر صوبہ زمیندار طبقہ کا محافظ ہوتا ہے اس وجہ سے یہ ضروری ہے کہ گورنر مسلمان ہونے چاہئیں اگر موجودہ وقت میں ایسے عہدوں کے لیے مسلمان دستیاب نہ ہو سکیں تو ازراہِ عنایت یورپین کو صوبہ جات کے گورنر مقرر کیا جائے، اس طرح سے دوسرے بڑے عہدوں پر سپرنٹنڈنٹ پولیس، اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ کسٹم آفیسر وغیرہ عہدوں پر مسلمان مقرر کیے جائیں۔

(۶) محکمہ ابریشم کے ساتھ مسلمان مزدوروں کا تعلق خصوصیت کے ساتھ ہے اس لیے اس کارخانہ کے گزیٹڈ اور نان گزیٹڈ اسٹاف میں مسلم عنصر کی تعداد بڑھائی جائے تاکہ آئندہ گزشتہ واقعات کا اعادہ نہ ہونے پائے، مسلمان مزدوروں کے حقوق اور فوائد کی نگہداشت کی جائے۔

(۷) فوڈ کنٹرول محکمہ کو کُلّیتاً تخفیف میں لایا جائے، اگر کُلّیتاً اس کا تخفیف میں لانا خلافِ مصلحت ہو تو کم از کم وہ رکاوٹیں جو سرینگر میں شالی درآمد کرنے پر عائد کی گئی ہیں ہٹا دی جائیں۔

(۸) کشمیر کے مسلمانوں کی تعلیمی حالت سدھارنے کے لیے ایک" ماہر تعلیم" مسلمان یا یورپین کو مقرر کیا جائے جو کہ مسلمانوں کی تعلیمی حالت کا جائزہ لیتا رہے گا۔ جبری تعلیم ابتدا میں شہر سرینگر میں اور پھر رفتہ رفتہ قصبہ جات میں اس کی توسیع کی جائے، اساتذہ اور انسپکٹرانِ تعلیم بالخصوص مسلمان مقرر کیے جائیں، وظائف کی ایک بڑی تعداد تعلیم اور صنعت و حرفت کی ٹریننگ حاصل کرنے کے لیے (چاہے یہ ہندوستان یا یورپ میں ہو) مسلمانوں کے لیے مخصوص کی جائیں۔

(۹) موجودہ بیگار سسٹم بالکل ختم کیا جائے اور اس کی جگہ ٹھیکہ داروں سے کام لیا جائے۔

۱۰۔ آراضیات، پروہتوں اور جوتشیوں نے ناجائز طور پر قبضہ میں لائی ہیں ان سے

واپس لے کر اصلی حقدار مسلمانوں کو عطا کی جائیں۔

(۱۱) لیجسلیٹو اسمبلی جیسا کہ سرکار نے وعدہ فرمایا ہے انتخابی اصول پر بہت جلد ریاست میں مقرر کی جائے اور اس کے ممبران کی تعداد میں مناسب آبادی کا لحاظ رکھا جائے، چونکہ موجودہ دور میں رائے عامہ کی کوئی وقعت نہیں اس لیے اس مجلس کی اشد ضرورت ہے۔

(۱۲) زمیندار بنک (کوآپریٹو بنک) کی توسیع کی جائے اور کشمیر میں ہر جگہ اس کی سوسائیٹیاں قائم کی جائیں اور بنک کی شاخیں کھولی جائیں۔

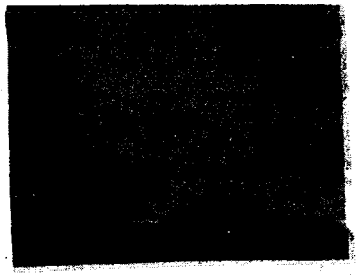
(۱۳) جنگلات پبلک ورکس اور دیگر ٹھیکے غیر مسلم اور غیر ریاستی باشندوں کو دیئے جاتے ہیں جس وجہ سے ملک کی بے شمار دولت بیرونِ مُلک چلی جاتی ہے اس لیے ایسے ٹھیکہ جات ریاست کے باشندوں بالعموم اور مسلمانوں کو بالخصوص دیئے جائیں۔

(۱۴) مسلمانوں کی عبادت گاہیں جو حکومت نے ضبط کر لی ہیں۔ واگزار کر کے مسلمانوں کو اُنکے جائز استعمال کے لیے واپس دی جائیں اور آئندہ کے لیے تمام مسلم زیارتیں، مسجدیں اور مقبرے ہندوؤں کی دستبرد سے محفوظ رکھی جائیں۔

(۱۵) مالیہ آراضی کے ساتھ مسلمان زمینداروں سے جو دو پیسے فی روپیہ جامع مسجد کی تعمیر اور مرمّت کے لیے وصول کیے جاتے ہیں یہ دو پیسے ہم مسلمان ہمیشہ اس شرط پر دینے کے لیئے تیار ہیں کہ اس رقم میں سے نصف مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے کاموں پر خرچ کی جائیں اور اس کا انتظام مسلمانوں کی قائم کردہ کمیٹی کے ہاتھ میں رہے۔

(۱۶) ذوالجناح، خانقاہ معلّٰی، فسادِ اسلام آباد، اور فساد بارہمولہ کے واقعات کی چھان بین کے لیے یورپین افسروں کی ایک کمیٹی مقرر کی جائے اور تحقیقات کے بعد قصوروار ملزموں کو مُناسب سزا دی جائے۔

(۱۷) جب سے ریاست کی حکومت سے ریذیڈنٹ اِن کشمیر کی نگرانی ہٹائی گئی ہے، مسلمانوں کی حالت غیر مطمئن اور غیر محفوظ ہوگئی ہے اور حُکام ریاست بلا کسی پس وپیش کے مسلم حقوق کو پامال کر رہے ہیں۔ اس لیے التماس ہے کہ ریذیڈنٹ اِن کشمیر کو پھر ریاست کا نگراں رہنے کے اختیارات دیئے جائیں۔ اس کے علاوہ ریذیڈنٹ اِن کشمیر کو تمام معاملوں میں مسلمانوں کے حقوق کی نگہداشت کرنے کا ذمہ دار قرار



سعدالدین شال

دیا جائے۔"

۲۸ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو وائسرائے ہند واپس چلے گئے تو میمورنڈم پر دستخط کرنے والوں کی طلبی ہوگئی۔

حسن شاہ نقشبندی اور سعدالدین شال کو لاہور جلا وطن کیا گیا تھا۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے شادی کی خوشی کے موقع پر انہیں واپس وطن بلوایا اور ان کے لیے معافی کا اعلان بھی کیا۔ اس اعلان سے مسلمان معززین دو گروپوں میں بٹ گئے۔ ایک گروپ نے پہلے گروپ پر معافی نامہ پیش کرنے کا طعنہ دیا۔ نتیجہ کے طور پر مسلم اتحاد میں رخنہ پڑ گیا۔

اسی دوران اسلامیہ اسکول کا سالانہ جلسہ شروع ہوگیا، جلسہ کے روز ملحقہ علاقے کے لوگوں نے خوب سجاوٹ کی، اس جلسے کی صدارت مرزا غلام مصطفےٰ نے کی۔ ڈاکٹر انصاری نے ایک فاضلانہ اور عالمانہ تقریر کی، انھوں نے اپنی تقریر میں مسلمانوں کو آپس میں اتفاق سے رہنے کی تلقین کی، مسلمانوں کے تنزّل کی داستان بیان کرتے ہوئے اسے مسلمانوں کی باہم نااتفاقی قرار دیا، اور انھیں نااتفاقی چھوڑ کر ترقی کرنے کی ہدایات دیں۔

اس جلسے میں مسٹر بسکو صاحب، کرنل سمندر خان اور مامہ بقال (جنہوں نے بعد میں عیسائی مذہب اختیار کر کے سیمول بقال نام رکھا) نے بھی شرکت کی، ڈاکٹر انصاری کی مدلّل تقریر سے ناراض مسلمان ممبران نے دورُخی چھوڑنے کا اقرار کر لیا۔

اجلاس کے دوران ایک نومسلم لارڈ ہیڈلے جو انگلستان کے رہنے والے تھے۔ مذہب اسلام قبول کر کے الحاج فاروق ہیڈلے بن گئے تھے، اور پہلی بار سرینگر تشریف لائے۔

اُن کے ہمراہ خواجہ کمال الدین، عباس علی بیگ اور ڈاکٹر عبدالواحد بھی تھے، جب جلسہ گاہ میں الحاج فاروق ہیڈلے سے، عوام کو متعارف کرایا گیا تو لوگوں نے تالیاں بجا بجا کر ان کا سواگت کیا، انھوں نے ہاتھ ہلا ہلا کر لوگوں کے سواگت کا خیر مقدم کیا۔ اور قبولِ اسلام کی وجوہات بیان کیں۔

سیّد میرک شاہ کاشانی نے جلسہ کے اختتام پر ایک خطبہ دیا۔



سیّد میرک شاہ کاشانی

ساجد کے تغافل سے ہوئی میری تباہی
یہ دیکھ کے اُجڑے ہیں میرے منبر و محراب

مہاراجہ کی وزارت میں رسّہ کشی، بنرجی کی بغاوت

مہاراجہ ہری سنگھ ۲۱ مئی ۱۹۲۸ء کو ایک مہینے کے لیے لندن روانہ ہوگئے، انہوں نے اپنی غیر موجودگی کے دوران ملکی معاملات کے لیے ایک عبوری کیبنٹ تشکیل دی اور اس کے ارکان سر ایلیین بنرجی، جنگ سنگھ اور مسٹر ویکفیلڈ مقرر ہوئے اس کیبنٹ سے مسٹر پی کے وآتل کو علیحدہ رکھا گیا جسے انھوں نے اپنے لیئے بے عزّتی پر محمول کیا۔

چنانچہ انہوں نے مہاراجہ کی غیر موجودگی میں کیبنٹ میں نفاق کا زہر بونا شروع کیا۔ ۲۰ جون کو لالہ لاجپت رائے سرینگر تشریف لائے اور ان کے لیے ۲۲ جون کو حضوری باغ میں ایک بہت بڑے جلسے کا اہتمام کیا گیا۔ سپاسنامہ احمداللہ کاک نے پیش کیا۔ اس جلسے میں ہر فرقے کے لوگ شامل ہوگئے۔ لالہ لاجپت رائے نے کشمیر کے لوگوں کی حالتِ زار تفصیل سے بیان کرتے ہوئے تمام فرقوں کو ایک ساتھ اتفاق سے رہنے کی تلقین کی، انہوں نے کم سنی کی شادی اور فضول خرچی سے پرہیز کرنے کی بھی تلقین کی، کشمیر کی بیوہ پنڈتانیوں کو دوسری شادی کرنے پر آمادہ کیا۔

ستمبر کے مہینے میں متواتر کئی روز تک بارش برسنے سے شہر میں سیلاب آیا ابھی اس سیلاب کے آثار نمایاں تھے کہ زینہ کدل میں رات کے وقت ایک بجے کے قریب آگ نمودار ہوگئی، بہت سارے مکانات اور دکانیں جل کر راکھ ہوگئیں۔

۱۸ دسمبر ۱۹۲۸ء کو مہاراجہ لندن سے جموں آگئے اور آتے ہی مسٹر وآتل نے انھیں سر ایلیین بنرجی کے بارے میں بدظن کرنا شروع کیا، اس کے علاوہ مسٹر وآتل کی شہ پر مہاراجہ صاحب نے ۲۲ جنوری ۱۹۲۹ء کو دربارِ خاص میں اخبار "کشمیر میگزین" اخبار "کشمیر" امرتسر،

"پرتاپ" "ملاپ" اور "گرو گھنٹال" پر ریاست میں ان کی آمد پر پابندی لگا دی۔

سر ایلبیسن بنرجی چیف منسٹر کے علاوہ وزیر خارجہ بھی تھے، انھوں نے مندرجہ بالا اخبارات پر پابندی پر مہاراجہ کے ساتھ اختلاف کیا، بنرجی نے وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ سنبھال کر کشمیر کی حالت سدھارنے کے لیے کئی اقدامات کیے اور بنیادی مسائل حل کرنے کے لیے کئی تجاویز مہاراجہ کے سامنے لائیں، عوام پر روا رکھے جانے والے ظلم وستم کی نشاندہی کر کے ان کے ازالہ کے لیے پیش پیش رہے۔

اس بات سے اربابِ اختیار کی نظروں میں وہ مشکوک بن گئے انھوں نے مہاراجہ اور وزیر اعظم کے درمیان سازشوں کا جال بچھانا شروع کیا اور تب تک پیچھا نہ چھوڑا جب تک انھوں نے مہاراجہ کو وزیر اعظم کے بارے میں بدظن نہ کیا۔

سر ایلبیسن بنرجی نہ صرف دیانتدار اور غیور تھے بلکہ ڈسپلن شکنی کے سخت خلاف تھے انھوں نے کئی بار مہاراجہ کے سامنے اُن حاشیہ برداروں کی سازشیں ننگی کر دیں، مہاراجہ نے جب اس کا نوٹس لینے میں لیت ولعل سے کام لیا تو وہ سخت بے دل ہو گئے۔

لندن سے واپسی پر جب ان حاشیہ برداروں نے مہاراجہ بہادر کے سامنے وزیر اعظم کی شکایات کا دفتر کھول دیا تو بنرجی سے رہا نہیں گیا انھوں نے وزارتِ عظمیٰ سے مستعفی ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ ۱۵ مارچ ۱۹۲۹ء کو انھوں نے استعفیٰ دیکر بوریا بستر باندھ لیا اور وہ لاہور چلے گئے۔

لاہور میں جب ان سے مستعفی ہونے کی وجوہات پوچھی گئیں تو انھوں نے وہ اسباب بیان کیے جن کی وجہ سے انہیں ایک بڑے عہدے سے مستعفی ہونا پڑا۔

سر ایلبیسن بنرجی نے لاہور میں مہاراجہ ہری سنگھ کا کچا چٹھا نکال کر رکھ دیا، ڈوگرہ شاہی کی طرف سے مسلمانوں پر روا رکھے گئے جور وظلم کو انھوں نے طشت از بام کر دیا انھوں نے لاہور میں جو بیان پریس نمائندوں کے سامنے پڑھ کر سنایا، حسبِ ذیل ہے:۔

"ریاست جموں وکشمیر کئی پہلوؤں سے خسارہ میں چل رہی ہے ریاست کی اکثریت جو مسلمانوں پر مشتمل ہے نہایت ہی کسمپرس، مفلوک الحال اور ناخواندہ ہے اور نہایت ہی ناخوشگوار حالات کے زیر اثر غریبانہ زندگی بسر کر رہے ہیں، ان پر اندھی گونگی بھیڑوں کی طرح حکومت کی جا رہی ہے حکومت سرتاپا ناقص اور غیر ذمہ دار ہے عوام اور حکومت کے درمیان کوئی ربط وتعلق نہیں ہے۔ لوگوں کو اپنی مشکلات پیش کرنے کا موقع ہی نہیں دیا جاتا حکومت کو وہاں کے لوگوں سے کوئی دلچسپی یا ہمدردی نہیں

ریاست کا ذہین طبقہ کشمیری پنڈت جسے اپنی تعلیمی قابلیت سے سرکاری ملازمتوں پر اجارہ داری حاصل ہے، وہ بھی حکومت سے بدظن اور نالاں ہے ریاست میں رائے عامہ اور پریس کی آزادی مفقود ہے، جب تک رعایا اور حکومت کے درمیان باہمی تعاون موجود نہ ہو تب تک اُن ذرائع سے فائدہ اٹھانا ناممکن ہے جو قدرت نے اس سرزمین کو عطا کر رکھے ہیں۔ گاؤں میں لوگوں کی اقتصادی حالت پسماندہ ہے کشمیر کی صنعتیں روبہ زوال ہیں۔ ان کی حفاظت کا مسئلہ ایک ضروری مسئلہ بن رہا ہے۔"

اِس بیان سے ایوانِ حکومت میں ایک زلزلہ سا آ گیا کشمیری مسلمانوں کی حالتِ زار کا جب ہندوستان کے علاوہ بیرونِ ممالک میں بھی چرچا ہو گیا تو مہاراجہ سخت پریشان ہوا، کئی اطراف سے ان پر چھٹکارا پڑنے لگی انھوں نے اس رسوائی سے بچنے کے لیے ایک جوابی پروپیگنڈہ مہم شروع کرائی چنانچہ بلہ کاک در، پی کے وآتل اور کاشی ناتھ کے ساتھ جنرل سمندر خان، کرنل غلام علی شاہ، مرزا غلام مصطفےٰ، آغا سید حسین اور محی الدین گنگو وغیرہ نے سر ایلبیسن بنرجی کے بیانات کو جھٹلانے کی ناکام کوششیں کیں۔ انھوں نے اپنے بیانات میں مہاراجہ کی قصیدہ خوانی کرنے میں کوئی کثر اٹھا نہ رکھی، انہوں نے مہاراجہ ہری سنگھ کے دورِ حکومت میں کشمیری مسلمانوں کی حالت کا جو نقشہ کھینچا اس میں بے حد دُروغ گوئی اور کذب بیانی سے کام لیا گیا، آغا سید حسین کے گھر میں ایک میٹنگ بُلائی گئی، میٹنگ میں درجہ بالا اصحاب کے علاوہ سرینگر کے ایک نامور تاجر یعقوب علی نے بھی شرکت کی، ایک ریزولیوشن پاس کیا گیا اور جب اس پر دستخط کرانے کے لیے ممبران سے کہا گیا تو یعقوب علی نے اعتراض کیا اور کہا۔ "اس کے لیے پہلے عوام سے رائے لینی پڑے گی"۔

یہ کہہ کر وہ یہاں سے اُٹھ کر چلے گئے، انھوں نے اس خفیہ میٹنگ کی منادی کرائی اور لوگوں کو خانقاہ معلیٰ میں جمع ہونے کو کہا۔ دیکھتے ہی دیکھتے کوئی چھ ہزار کے قریب لوگ جمع ہو گئے۔ یعقوب علی نے عوام کے سامنے خفیہ میٹنگ کی صورت حال واضح کر دی تو ان خود ساختہ لیڈروں کو سخت بُرا بھلا کہہ کر ان کی انجمن کو مسترد کر دیا گیا۔ اس جلسہ میں یعقوب علی کے ساتھ جن دوسرے اشخاص نے پبلک کے اجتماع میں پہلی بار مہاراجہ ہری سنگھ کو للکارا، کشمیر کی تاریخ مرتب کرنے والوں نے ان کا کوئی ذکر تک نہیں کیا، حالانکہ عوامی اجتماع میں ڈوگرہ راج کے خلاف آواز اٹھانے والے یہ پہلے مرد مجاہد ہیں۔ ان میں مولوی عبدالاحد، مولوی غلام احمد کشفی، خاکسار

محی الدین، عبدالعزیز ڈار، محمد اسماعیل، عبدالغفار ڈار اور غلام محی الدین قابلِ ذکر ہیں۔

سر ایلبیین بنرجی کے بیانات اور مہاراجہ بہادر کے حواریوں کے جوابی بیانات نے برصغیر میں ایک طلاطم سا بپا کر دیا۔ اسی دوران شیخ محمد اللہ کا ایک خط ایک انگریزی ویکلی "مسلم آوٹ لک" میں شائع ہو گیا جو لاہور سے نکلتا تھا۔ شیخ محمد عبداللہ نے اس خط میں مہاراجہ ہری سنگھ کے بے ضمیر حواریوں کی سخت الفاظ میں نکتہ چینی کی تھی۔ شیخ عبداللہ کے اس خط کی اشاعت سے لاہور کی کئی اہم شخصیتوں نے انہیں علی گڑھ سے لاہور آنے کا پیام بھیجا۔ لاہور میں جن دنوں شیخ عبداللہ سائنس میں بی، ایس، سی کر رہے تھے۔ ان کا قیام ریواز ہوسٹل میں تھا اور اس کا تمام خرچہ احمدیہ انجمن لاہور برداشت کر رہی تھی۔

احمدیوں کے قریب رہنے کی وجہ سے ان پر بھی احمدیت کا لیبل لگ گیا تھا۔ جبکہ وہ اپنے بڑے بھائی شیخ محمد مقبول کے طفیل سے مرزائیت قبول کر چکے تھے۔ شیخ محمد مقبول کھانڈے خان کے قریبی دوست تھے۔ کھانڈے خان سرینگر میونسپل کمیٹی میں انجنیئر تھے (انھوں نے اپنی نگرانی میں مجاہد منزل کی تعمیر کرائی تھی) کھانڈے خان مرزا غلام احمد کے پیروکاروں میں شامل تھے۔ وہ ماسٹر عبداللہ کے رشتہ دار بھی تھے۔ ماسٹر عبداللہ (ڈاکٹر طاہرہ خانم کے والد) جو ٹیکنیکل کالج میں ٹیچر تھے کھانڈے خان کے یار تھے۔ تینوں مولوی عبداللہ کی سرپرستی میں مرزائیت کا یہاں خوب پرچار کرتے تھے اور ان کا براہِ راست تعلق مولوی محمد علی سے تھا۔ مولانا محمد علی لاہور میں قیام کے دوران شیخ محمد عبداللہ کو شیخ محمد مقبول کی سفارش پر انجمن سے ان کی ضروریات پوری کرا رہے تھے۔

"مسلم آوٹ لک" میں ان کے خط کی اشاعت کے بعد جن احباب نے شیخ محمد عبداللہ کو اپنے ہاں مدعو کیا ان میں سید محسن شاہ بیرسٹر ایٹ لاء ایڈووکیٹ تھے جو مسلم کشمیری کانفرنس ۲۵-۱۹۲۴ء کے ممبر رہے ہیں، انھوں نے اس کانفرنس کو پورا پورا تعاون دیا تھا۔ فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ" ان کا مشن تھا۔ انہوں نے بعض ہونہار طلباء کو وظائف دیکر کالجوں کی تعلیم دلائی۔ ان کی فراخدلی کا چرچا عام تھا۔ چنانچہ شیخ محمد عبداللہ بھی اُن کے پاس گئے اور تعلیم جاری رکھنے کیلئے انھیں مالی مدد کی درخواست دی تھی۔

سید محسن شاہ نے شیخ عبداللہ کو علی گڑھ سے فارغ التحصیل ہو کر ان کے پاس آنے کو کہا تھا تاکہ وہ ان کی رائے کے مطابق ان کی مدد کر سکیں۔

چنانچہ فارغ التحصیل ہو کر کشمیر واپس روانہ ہونے سے قبل شیخ عبداللہ محسن شاہ صاحب

سے ملے اور انہیں مدد کی درخواست کی یاد دلائی۔ سید محسن شاہ نے انہیں مہاراجہ کے حواریوں کے خلاف خط کی اشاعت پر شاباشی دی اور انھیں رات کے لیے اپنے گھر کا مہمان بنا دیا۔ جب صبح شیخ صاحب روانگی کی رخصت لینے اُن کے پاس آئے تو محسن شاہ صاحب نے شیخ عبداللہ کے سامنے روپیوں کی ایک تھیلی رکھدی۔ شیخ عبداللہ روپیوں کی یہ تھیلی دیکھ کر شش و پنج میں پڑ گئے وہ اس تھیلی کی طرف دیکھ کر کچھ سوچ رہے تھے کہ سید محسن شاہ کی بیگم چلمن سے باہر آ کر بولیں۔

"بیٹے۔ اُٹھا لے یہ ہماری طرف سے تمہیں قرض حسنہ ہے"

شیخ صاحب تھیلی اٹھا کر اسے کھول کر گننے لگے تو ان دونوں نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا اور اسے مزید تعلیم جاری رکھ کر کامیاب ہونے کی دعائیں دیں۔

سید محسن شاہ نے شیخ عبداللہ کو بتایا "ہم تمہاری گھریلو حالت سن کر بے حد متاثر ہوئے ہیں جو حالت تم نے مالی مدد کی درخواست میں لکھی تھی، تم تعلیم جاری رکھنا چاہتے ہو ہم تمہاری پوری مدد کریں گے تم پڑھ لکھ کر کچھ بنو گے تو ہم سمجھیں گے تم نے ہمارا قرضہ اُتار دیا۔"

۱۲ اپریل ۱۹۳۰ء کو شیخ محمد اللہ سرینگر کی طرف روانہ ہو گئے۔

یہاں سرینگر میں سر ایلبیین بنرجی کے بیان اور جوابی بیانات کی مہم کچھ ماند پڑ گئی تھی۔ بنرجی کے بیان کی روشنی میں مہاراجہ ہری سنگھ عوام کی زبوں حالی کی طرف متوجہ ہو گئے تھے، انھوں نے ایک خصوصی حکم کے ذریعے مظفر الدین شہیری کو کشمیر سے اور عبدالحکیم خان کو جموں سے بار ایٹ لاء کے لیے منتخب کیا تھا۔ اس کے علاوہ مبارک شاہ نقشبندی، عبدالرشید، عبدالغنی فاضلی اور غلام جیلانی کو کشمیر سے اور جموں سے خواجہ غلام عباس خاں کو کوآپریٹو ٹریننگ کے لیے سرکاری خرچے پر باہر بھیجنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

مہاراجہ بہادر نے مسلمان علماء سے صلاح مشورہ کرنے کا سلسلہ بھی شروع کیا جو اکثر حالات میں عدیم الفرصتی کی نذر ہو جاتا۔

۱۱ ستمبر ۱۹۲۹ء کو مسٹر پی کے وآتل کی وساطت سے مہاراجہ نے اپنے ہاں کئی برگزیدہ اشخاص کو طلب کر لیا اور ان کے ساتھ بعض اہم امورات پر تبادلہ خیالات کیا، اس بیٹھک میں خواجہ محی الدین کاؤسہ، میر واعظ احمد اللہ ہمدانی، جعفر خان، سید حسین جلالی، سعد الدین شال اور آغا سید حسین وغیرہ شامل تھے۔ کئی معاملات زیر بحث آئے جن کا تدارک کرنے کا مہاراجہ نے وعدہ کیا۔ اس وعدہ وفائی کے لیے مہاراجہ نے ایک حکم بھی جاری کیا کہ بیرونِ ریاست کے

اشخاص کو عارضی طور پر صرف تین سال کے لیے ملازمت میں لیا جائے گا، تین سال کے بعد ان جگہوں پر باشندگانِ ریاست کو مقرر کیا جائے گا۔ اس کے بعد کسی بیرونی باشندے کو ملازمت میں نہیں لیا جائے گا۔

سرینگر اور سوپور میں بطور تجربہ جبری تعلیم کے مدارس کھولے گئے تاکہ ناخواندگی دُور ہو سکے، ان اقدامات سے مسلمانوں پر لگے زخموں کا کچھ مرہم ہونے لگا کہ اسی دوران ۶ مئی ۱۹۳۰ء کو دہلی میں مہاتما گاندھی کی ستیہ گرہ کی خبر سرینگر میں پھیل گئی۔ ایک اُتھل پتھل سی مچ گئی۔ ہزاروں لوگ امیرا کدل میں جمع ہو گئے۔ دُکانداروں نے ہڑتال کی، بدیشی کپڑوں کے ڈھیر جلائے گئے، بعد میں ایک جلوس بھی نکلا جو انقلاب زندہ باد اور نعرۂ تکبیر اللہُ اکبر بلند کر کے آگے بڑھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے اسکول اور کالج کے طلبار نے اسٹرائک کی، مہاراجہ نے اس اسٹرائک کی سخت نوٹس لی اور ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی اس کے ممبران مسٹر ویکفیلڈ، آغا سید حسین مسٹر وَاتل اور میکدرمٹ مقرر ہوئے۔

۸ مارچ ۱۹۳۱ء میں فرانس کے ایک ہسپتال میں مہاراجہ ہری سنگھ کے ہاں فرزند نوتولد ہوا، ساری ریاست میں شادیانے منائے جانے لگے، چراغاں ہوا، تین دن تک اس خوشی میں سرکاری دفاتر اور اسکول وکالج بند رہے۔ یوراج کرن سنگھ کے جنم پر جشن جاری تھا اور مہاراجہ بہادر کی فرانس سے آمد پر ان کا شاہانہ استقبال کرنے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔

پنڈتوں اور مسلمانوں کی طرف سے چندہ جمع ہو رہا تھا۔ استقبالیہ کمیٹی بن رہی تھی کہ ۳ اپریل کو مولانا مولوی احمد اللہ صاحب میر واعظ کشمیر اور صدر انجمن نصرت الاسلام دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اس خبر سے گھر گھر ماتم کدہ بن گیا۔ لوگ جوق در جوق سینہ کوبی کر کے جنازہ میں شرکت کے لیے روانہ ہو گئے۔ جنازے میں لوگوں کا ایک بہت بڑا اژدھام تھا۔ جنازہ کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے لوگ اشکبار تھے، اور درود پڑھتے جا رہے تھے۔ عورتیں زار و قطار رو رہی تھیں۔

۱۱ مئی کو مہاراجہ ہری سنگھ بمعہ رانی اور راجکمار فرانس سے واپس پہنچے، یہاں پہنچتے ہی ان کا زبردست استقبال کیا گیا۔ مبارک بادی کے جلسے منعقد کیے گئے۔ چراغاں کیا گیا۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے اس خوشی کے موقع پر کئی رعایات اور مراعات کا اعلان کیا۔ مہاراجہ کے تئیں لوگوں کا یہ استقبال اور جشن آخری ثابت ہوا کیونکہ اگلے ماہ جون سے ان کے خلاف رائے عامہ منظم ہونے لگی۔

گذاری زندگی ہم نے محبت کے قرینوں میں
گذاری گلعذاروں میں، لٹائی مہ جبینوں میں

ریڈنگ رُوم سرینگر۔ ایک تجزیہ

ڈوگرہ شاہی کے خلاف منظم جدوجہد کے لیے آپس میں مل بیٹھنے کے لیے اور اس کے لیے لائحہ عمل مرتب کرنے کے لیے سرینگر کے بعض نوجوانوں نے مارچ ۱۹۳۰ء میں غلام نبی گلکار کی صدارت میں ایک کمیٹی تشکیل دی اور اس کا نام "آل کشمیر سوشل اپ لفٹ ایسوسی ایشن" رکھ دیا گیا اس تنظیم کے لیے شہر کے علاوہ قصبہ جات سے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو راغب کیا گیا۔


غلام نبی گلکار

۸ مئی ۱۹۳۰ء کو خواجہ محمد سکندر ٹیلیگراف ماسٹر جو کاچگری مسجد ستم حاجی راتھر میں رہتے تھے، ان کے گھر پر اس تنظیم کی ایک میٹنگ منعقد ہوئی جس میں اس تنظیم سے وابستہ نوجوانوں نے ڈوگرہ شاہی کے خلاف لڑنے کا عہد کیا اور اس کے لیے باضابطہ حلف لیا گیا۔ ان حلف لینے والوں میں غلام نبی گلکار، محمد رجب، محمد صدیق ملک، مولوی بشیر احمد، عبدالغنی پلوامی، غلام احمد ظہرہ، محمد یحییٰ رفیقی، غلام نبی رفیقی، عبدالصمد درزی، محمد مقبول کوزگر، مبارک شاہ نقشبندی، پیر سیف الدین، پیر حفیظ اللہ کاش، ملک غلام نبی درزی، ملک عبدالکبیر، غلام محمد باگ، غلام رسول ویر، غلام محمد بٹ، علی محمد سقہ، مفتی جلال الدین، پیر عبدالقدوس، ماسٹر غلام محمد زینہ کدلی، غلام محمد بانڈے اور ماسٹر محمد اسماعیل اسلام آبادی قابلِ ذکر ہیں۔

اس تنظیم جس کی صدارت غلام نبی گلکار انجام دے رہے تھے ان کا ہاتھ عبدالغنی ننگرو اور غلام حسن صابون بٹار ہے تھے، میٹنگ میں ڈوگرہ شاہی کے خلاف جدوجہد کرنے کے مختلف پہلو زیر غور لائے گئے۔ میٹنگ کے اختتام پر محمد رجب نے تجویز پیش کی کہ ماسٹر عبداللہ جو حال ہی میں لاہور سے یہاں آئے ہیں ان کو بھی اس تنظیم میں شامل کرنا چاہیے، چنانچہ غلام نبی گلکار کو ان کے پاس بھیج دیا گیا۔ اُن دنوں شیخ عبداللہ سٹیٹ ہائی سکول میں سائنس ماسٹر تھے اور ماسٹر عبداللہ کے نام سے جانے جاتے تھے۔ اُن ایام میں جو تنخواہ وہ سرکار سے لیتے تھے، وہ ۱۳ روپے ۹ آنے ۶ پائی تھی۔



غلام نبی گلکار نے ان کو اپنی تنظیم میں شامل ہونے کے لیے راضی کر لیا، چنانچہ اگلی میٹنگ میں شامل ہونے کے لیے انھوں نے گلکار صاحب کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر وعدہ بھی کر لیا۔ لیکن وہ نہیں آئے، منشی محمد دین فوق رسالہ "کشمیر میگزین" میں لکھتا ہے:

"جب شیخ عبداللہ اسٹیٹ ہائی اسکول میں سائنس ماسٹر مقرر ہوئے تو غلام نبی گلکار اکثر ان سے ملتے اور ریاست کی زبوں حالی کے بارے میں انھیں تفصیلات بتاتے تھے، غلام نبی گلکار وہ پایہ ناز ہستی ہے جس کو سب سے پہلے اپنی قوم کی مظلومی و بے کسی کے خلاف آواز اُٹھانے کا فخر حاصل ہوا، گلکار ان نوجوانوں میں سے ہے جس کے دل نے سب سے پہلے قوم کی خستہ حالی پر درد محسوس کیا جونہی اس نے عالم شباب میں قدم رکھا۔ اس کی نگاہ قوم کی بدحالی پر پڑی اور اس کے دل پر ایسی چوٹ پڑی کہ وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر تحریک کا جھنڈا بلند کرتا ہوا میدان میں کود اور خطرات و مصائب کی پرواہ نہ کرتے ہوئے قوم کو بیدار و ہوشیار کرنے کے لیے عملی جدوجہد شروع کر دی۔"

اس مجاہد اعظم کی درد بھری آواز اور مخلصانہ تحریک نے صدیوں کے سوئے ہوئے غلام ملک کو نوید آزادی کی تڑپ سے روشناس کرایا، اور سالہا سال کی روندی ہوئی قوم میں زندگی کی لہر پیدا کر دی۔ گلکار کی سیاسی زندگی کا آغاز "آل کشمیر مسلم سوشل اپ لفٹ ایسوسی ایشن" نامی

تنظیم سے ہوتا ہے جو نوجوانانِ سرینگر نے ۱۹۳۰ء میں کشمیری مسلمانوں کی تنظیم کے لیے قائم کی اور جس کے پہلے صدر آپ ہی ہوئے۔

آپ کشمیر کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کا ہاتھ پکڑ کر انھیں اس تنظیم میں لائے "شیخ محمد عبداللہ ماسٹر" نے ان سے وعدہ خلافی کر کے انھیں مایوس کر دیا لیکن انھوں نے ہمت نہ ہاری اسی دوران فتح کدل میں مفتی ضیاء الدین کے گھر کے پاس گیرج کے اُوپر کے ایک کمرے میں ریڈنگ روم کا قیام عمل میں لایا گیا اس کی ابتداء مولوی عبداللہ وکیل، ان کے فرزند مولوی عبدالرحیم، منشی نصیر الدین اور مولوی احمد اللہ ہمدانی نے کی۔



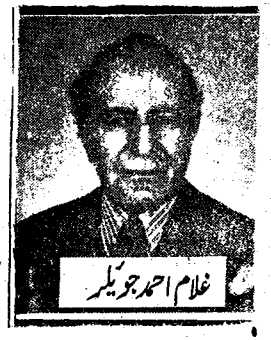
شیخ محمد عبداللہ

بظاہر یہ ریڈنگ روم اسلامی اور معلوماتی کتابیں اور اخبارات پڑھنے کے لیے قائم کیا گیا لیکن اصل میں یہ ایک بیٹھک تھی جہاں سیاسی سرگرمیوں پر تبادلہ خیال کیا جاتا تھا پہلے پہل یہ ریڈنگ روم چند افراد پر مشتمل تھا۔ بعد میں اس میں وسعت لائی گئی اور اس میں آل کشمیر مسلم سوشل اپ لفٹ ایسوسی ایشن کے کئی ممبران بھی شامل ہو گئے۔ مفتی جلال الدین، محمد رجب اور چند دوسرے نوجوانوں کے چلے جانے سے غلام نبی گلکار کی انجمن ناکارہ سی ہو گئی، بعد میں وہ اپنا دفتر بند کر کے ریڈنگ روم کے ساتھ وابستہ ہو گئے۔ ریڈنگ روم ممبران میں مفتی جلال الدین، حکیم علی، پیرزادہ غلام رسول، پیرزادہ احمد شاہ فاضلی اور حکیم غلام مرتضیٰ بھی شامل ہو گئے۔ غلام نبی گلکار اور محمد رجب نے شیخ محمد عبداللہ کو ریڈنگ روم آنے کے لیے راضی کر لیا۔

چنانچہ کئی نشستوں کے بعد جب اسے ایک تنظیم کی صورت دی گئی تو اتفاق رائے سے اس کے پہلے صدر شیخ محمد عبداللہ اور جنرل سکریٹری محمد رجب مقرر ہوئے۔ صدر مقرر ہونے کے بعد شیخ عبداللہ کے لیے صورہ سے یہاں آکر بیٹھک میں شامل ہونا ایک مسئلہ بن گیا تو انہیں اسی کمرے میں رہنے کا مشورہ دیا گیا۔ ان کی عارضی رہائش کے لیے ضروریاتِ زندگی اور رہن سہن کا مسئلہ درپیش آیا، شیخ صاحب نے اپنی کمزور مالی حالت کے بارے میں بتایا تو غلام نبی گلکار اور پیر محمد مقبول گیلانی نے ان کے خرچے کا بار اٹھا لیا۔ رات کو سبھی لوگ اپنے اپنے گھر

جاتے تھے تو شیخ صاحب اکیلے نہیں رہ سکتے تھے، چنانچہ ان کے ساتھ عبدالغنی ترالی کو رہنے کے لیے آمادہ کیا گیا۔ غلام نبی گلکار اپنے گھر سے ان کے لیے کھانا لے آتے تھے۔

یاد رہے شیخ صاحب لاہور سے سید محسن شاہ سے "قرض حسنہ" لائے تھے وہ چاندی کے سکّوں میں تھا اور یہ ساری رقم انھوں نے غلام احمد جوئیلہ کے پاس بطور امانت رکھدی تھی، غلام احمد جوئیلہ نے (COKSSKINGS) بنک جو بعد میں لائیڈز بنک میں بدل گیا۔ شیخ عبداللہ کو ساتھ لیکر یہاں ایس، ایم عبداللہ کے نام سے جمع کرائی، بنک سے جو انھیں پاس بک اجرا کی گئی اس کا اکاؤنٹ نمبر 342 /c تھا۔ شیخ صاحب ابتدا میں اپنی تنخواہ کا بیشتر حصّہ اور بعد میں بالائی آمدنی اسی بنک میں جمع کرتے رہے۔


غلام احمد جوئیلہ

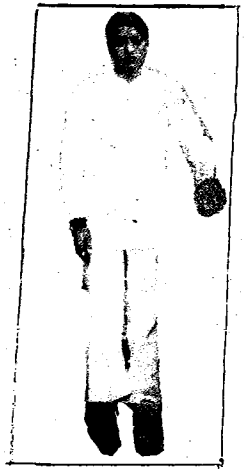
سرینگر کے ریڈنگ روم میں ایک خفیہ سیل بنائی گئی، یہ سیل اُن سرکاری ملازمین پر مشتمل تھی جو اپنے آپ کو پوشیدہ رکھ رہے تھے ان میں خواجہ علی شاہ، غلام محمد گلکار، حکیم علی، غلام احمد عشائی، نظام الدین متّو، صفدر علی، پیر غلام احمد فاضلی اور پیر غلام رسول قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے ذمہ یہ کام رکھا گیا کہ وہ ریاست کے مسلمان ملازمین کے اعداد و شمار جمع کر کے پنجاب کے اخبارات کو ارسال کیا کریں، ریڈنگ روم کے ارکان نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ لاہور سے ایک اخبار نکالا جائے مگر اقتصادی حالت کے پیش نظر اس کو ملتوی رکھا گیا البتہ اس کے لیے اخبار "انقلاب" اور "زمیندار" اور "سیاست" کی خدمات حاصل کرنے کا فیصلہ ہوا۔ یہ بھی طے ہوا کہ اگر اخبار کا داخلہ ریاست میں بند کر دیا گیا تو ایک اور نام سے اخبار جاری کیا جائے اور جب وہ بھی بند ہو جائے تو اشتہارات نکالے جائیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اشتہاروں کے طرز پر اخبار "مظلوم کشمیر" اور "ہتو کشمیر" یکے بعد دیگرے یہاں آتے گئے۔ اس تنظیم نے لاہور کے پریس نمائندے مسٹر ایل این بنرجی جو کہ لندن میں "انڈین اسٹیٹس" نام کا ماہنامہ میگزین شائع کرتے تھے اس سے بھی رابطہ قائم کیا اور کشمیر سے متعلق مضامین اور اعداد و شمار وغیرہ چھپوا کر انگلینڈ کے عوام تک کشمیر کے حالات اور یہاں کے لوگوں کے جذبات پہنچائے گئے، ان حالات سے متاثر ہو کر لندن کی مسجد کے امام مولوی فرزند علی نے کشمیر تحریک کے لیے ایک اہم رول ادا کیا۔

حکومت نے مذہبی تبلیغ میں سیاسی بُو سونگھ لی تو سیاسی تقریروں کے خلاف جامع مسجد

کے دروازے پر نوٹس چسپاں کر دیا گیا اور مشتہر کیا کہ جو شخص اس کی خلاف ورزی کرے گا اُسے سخت سزا دی جائے گی۔

ریڈنگ روم کی میٹنگ میں اس پر غور کیا گیا اور فیصلہ ہوا کہ اس نوٹس کو اتار پھینک کر حکومت کا چیلنج قبول کر لیا جائے لیکن بلّی کے گلے میں گھنٹی کون ڈالے اس کے لیے ایک دوسرے کی طرف دیکھا گیا۔ شیخ محمد عبداللہ کے بارے میں یہ طے ہو چکا تھا کہ وہ نڈر، بے باک اور جوشیلے ہیں۔ چنانچہ جب اس غرض کے لیے ان کی طرف دیکھا گیا تو انھوں نے خاموشی سے نظریں جھکالیں اِس پر غلام نبی گلکار نے کھڑے ہو کر اپنے آپ کو پیش کیا اور اسی وقت جا کر نہ صرف نوٹس کو اُتار پھینکا بلکہ اسے پاؤں تلے رَوندھ بھی ڈالا۔

اس طرح اس جیالے نوجوان نے "بغاوت" کا آغاز کیا۔


غلام نبی گلکار



تحریکِ حریّت کے پہلے سپاہی مولوی عبداللہ وکیل

گلشن میں جوشِ گل تو بگولہ ہیں دشت میں
اہلِ جنوں جہاں بھی رہے آن سے رہے

ینگ مینز ایسوسی ایشن جمّوں

منظر اور پس منظر

وادیٔ کشمیر کے ساتھ ساتھ جموں میں ڈوگرہ شاہی کے خلاف لاوا پک چکا تھا اور یہاں مقامی مسلم رہنما جدوجہد آزادی کی شروعات وادیٔ کشمیر سے پہلے ہی کر چکے تھے۔ سرینگر میں ریڈنگ روم کو تحریک دراصل جموں سے مل گئی تھی۔ کیونکہ جموں میں ینگ مینز ایسوسی ایشن پہلے ہی بن چکی تھی۔ اس ایسوسی ایشن نے ۱۹۰۹ء میں کام کرنا شروع کیا تھا ۱۹۰۹ء سے ۱۹۲۸ء تک یہ خالص دینی اور مذہبی ایسوسی ایشن تھی اس کا کام دین اسلام کا فروغ اور قرآنی تعلیم کے پھیلاؤ تک محدود تھا۔ ۱۹۲۸ء سے اس تنظیم نے سیاسی امور پر تبادلہ خیال کرنا شروع کیا اور ڈوگرہ شاہی کے ظلم وستم کے خلاف صدائے احتجاج بھی بلند کیا۔

یہ الگ بات ہے کہ کشمیری مسلمانوں کی زبوں حالی اور ان کے تحفظ کے لیے ڈوگرہ شاہی کے جور وستم اور ظلم کے خلاف جو سب سے پہلی انجمن وجود میں آئی تھی وہ ۱۸۹۶ء میں لاہور میں "مجلسِ کشمیری مسلمانان لاہور" کے نام سے قائم تھی اس کے بانیوں میں میاں کریم بخش رئیسِ اعظم لاہور، ان کے فرزند میاں شمس الدین، میاں نظام الدین اور میاں جلال الدین کے علاوہ مولوی احمد دین خواجہ رحیم بخش اور ڈاکٹر شیخ محمد اقبال قابلِ ذکر ہیں۔

یکم دسمبر ۱۹۰۱ء میں "مسلم کشمیری کانفرنس" نامی تنظیم وجود میں آئی اس کے پریذیڈنٹ میاں کریم بخش اور جنرل سکریٹری میاں شمس الدین مقرر ہوئے اس کے بعد

ملک گیر پیمانے پر "آل انڈیا مسلم کشمیری کانفرنس" کی بنیاد پڑی اور اس کی شاخیں لاہور، امرتسر، گجرانوالہ، سیالکوٹ، گجرات، جہلم اور راولپنڈی میں قائم ہوئیں اس کانفرنس کے بانیوں میں خان بہادر شیخ غلام صادق صاحب آنریری کمشنر امرتسر، خان بہادر خواجہ یوسف شاہ صاحب ممبر لیجسلیٹو اسمبلی پنجاب، نواب سربلند جنگ بہادر، حاجی مولوی حمید اللہ خاں صاحب سابق چیف جسٹس حیدرآباد دکن، خان بہادر نواب خواجہ محمد اعظم خاں صاحب رئیسِ اعظم ڈھاکہ، میاں فیروزالدین صاحب آنریری مجسٹریٹ و رئیس اعظم امرتسر، میاں نظام الدین اور شیخ محمد پبلک پراسیکیوٹر گجرات قابلِ ذکر ہیں۔ یہ سبھی حضرات کشمیری نسل سے تعلق رکھتے تھے اور کشمیری خون کے ناطے کشمیری مظلومین کے لیے آواز بلند کرتے رہتے تھے۔



مستری یعقوب علی چوہدری غلام عباس خان

۱۹۲۸ء کے دوران جموں کی ینگ مینز ایسوسی ایشن نے ڈوگرہ شاہی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ کئی جلسوں اور مظاہروں کا بھی اہتمام کیا، ۱۹۲۹ء میں جب سر ایلبین بنرجی نے وزارت عظمیٰ سے مستعفی ہوکر لاہور میں ایسوسی ایٹڈ پریس کے سامنے کشمیر کے مسلمانوں کا ظلم و ستم اُجاگر کرتے ہوئے یہ بیان دیا کہ:

"ریاست میں مہاراجہ اور رعایا کے مابین کوئی رابطہ یا موافقت نہیں ہے اس ۸۵ ہزار مربع میل میں پھیلی ہوئی ریاست کی آبادی میں ۸۰ فیصد پر غیر مسلم چھائے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کو ڈنگروں کی طرح لاٹھیوں سے ہانکا جاتا ہے وہ نہایت ہی ذلت کی زندگی گزارتے ہیں....."

اس بیان سے نہ صرف ینگ مینز ایسوسی ایشن کے عہدیداران اور ممبران متاثر ہوئے بلکہ علاوہ جموں کے مسلمان بھی مشتعل ہوئے۔ چونکہ جموں کے مسلمانوں نے پہلے ہی ڈوگرہ شاہی کے خلاف جدوجہد کا آغاز کیا تھا۔ بنرجی کے بیان کے بعد اس احتجاج میں شدت آگئی۔

جموں میں ینگ مینز ایسوسی ایشن کی سرگرمیوں کے بارے میں اطلاعات ملنے پر سرینگر کے

بعض علماء نے اسی طرز کی ایک ایسوسی ایشن بنانے کا ارادہ کر لیا، چنانچہ مولوی عتیق اللہ سعدالدین شال غلام احمد عشائی اور مولوی عبداللہ وکیل نے ریڈنگ روم بنانے کا فیصلہ کر لیا۔

وادی کے مسلمان رہنماؤں نے ڈوگرہ راج کے خلاف جب منظم جدوجہد کا آغاز کیا تو اس وقت جموں بہت آگے نکل چکا تھا۔

یہاں باضابطہ طور پر سنگینوں کا مقابلہ کیا جاتا تھا اور گرفتاریاں دی جا رہی تھیں علاقہ جموں کی جدوجہد آزادی میں قربانیاں وادی سے بہت زیادہ ہیں لیکن ان کی قربانیوں کو نظرانداز کر کے تاریخ اور تحریک کے ساتھ بہت زیادتی کی گئی ہے۔

بنرجی کے بیان نے جموں کے مسلمانوں کے احساسات میں گرمی پیدا کر دی انھوں نے اس بیان کو اپنی جدوجہد آزادی کے لیے احساس حریت قرار دیکر ریاست میں ذمہ دار نظام حکومت کے قیام کا مطالبہ کیا، جسے مسلم حکایات اور مسلم مطالبات کی پہلی شق قرار دیا گیا اور اس کے حصول کے لیے ہر ممکن کوششیں بروئے عمل لانے کا عہد کیا گیا۔ اس وقت ینگ مینز ایسوسی ایشن میں جو نوجوان شامل تھے ان میں چوہدری غلام عباس خان سردار گوہر رحمان، اللہ رکھا ساغر، غلام حیدر غوری کے علاوہ شیخ محمد سعید، بابو غلام علی، منشی رحمت اللہ، شیخ عبدالحمید، منشی طفیل احمد، بابو محمد صدیق، بابو علی محمد، یحییٰ خان، غلام قادر بٹ، محمد جمیل نظامی، مولانا عبدالمجید قرشی، معراج الدین، سید گلزار حسین، شاہ قلندر، خلیفہ غلام پہلوان اور دیگر جوان شامل تھے۔

جموں کی ینگ مینز ایسوسی ایشن کی ڈوگرہ شاہی کے خلاف عملی جدوجہد کو دیکھ کر جموں کی غیر مسلم تنظیمیں تلملا اٹھیں، کئی ہندو لیڈر اور ہندو مہاسبھائیں حکومت پر زور دینے لگیں کہ ینگ مینز ایسوسی ایشن جموں باغیوں کی جماعت ہے۔ اسے خلافِ قانون قرار دیکر اس کے وابستگان کو گرفتار کر لیا جائے ان پر بغاوت کے مقدمات چلائے جائیں۔

جموں کے ڈوگروں کی بیان بازی نے مسلمانوں کے جذبات اُبھارے چنانچہ ایک ٹکراؤ شروع ہوگیا۔ اسی ٹکراؤ نے وادیٔ کشمیر میں مسلم قیادت کو زبان کھولنے کے لیے اُکسایا۔ سرینگر کی ریڈنگ روم کو ینگ مینز ایسوسی ایشن کی ایک برانچ کے طور پر قبول کرنے کی درخواست دیدی گئی، چنانچہ فتح کدل کے ریڈنگ روم کو ایسوسی ایشن کا ادارہ قرار دیا گیا۔ جب ۱۹۳۱ء کا فتنہ وادی میں پیش آیا تو جموں کے مسلمانوں نے ایک زبان ہوکر ڈوگرہ شاہی کے خلاف جدوجہد آزادی کی آبیاری کے لیے اپنا خون پیش کیا، جموں کے علاوہ جہاں پر مسلمانوں نے آزادی کے لیے

اپنا لہو بہایا ان میں میر پور، کوٹلی بھمبر گلی، پونچھ، راجوری، ریاسی، اودھم پور، اکھنور، رنبیر سنگھ پورہ کٹھوعہ اور سانبہ قابلِ ذکر ہیں۔ ان علاقہ جات میں مسلمانوں نے ڈوگرہ فوج کے سامنے گولیاں کھانے کے لیے پیٹھ کے بجائے سینہ پیش کیا۔

۱۳ اگست کی رات کو سارے جموں شہر میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی گئی اور اس دفعہ کی پروا کیے بغیر ینگ مینز ایسوسی ایس نے مسلم ہال جموں میں جمع ہو کر ایک جلوس نکالنے کا فیصلہ کر لیا۔ ڈوگرہ فوج نے ہال کو اپنے گھیرے میں لے لیا، مجاہدین نے جامع مسجد مست گڑھ کا رُخ کیا حکومت نے فوری طور پر فوج وہاں روانہ کر دی، شیخ غلام قادر جنرل سکریٹری ایسوسی ایشن نے مسجد کے گنبد پر چڑھ کر ڈوگرہ حکومت کے خلاف مرتب کردہ ریزولیوشن پڑھا جسے تمام حاضرین نے منظور کیا، جب وہاں سے مجاہدین باہر آئے تو ڈپٹی مجسٹریٹ کے حکم سے پولیس اور فوج نے ان کو گھیرے میں لے لیا ان پر لاٹھی چارج کیا گیا اور ملٹری کے رسالہ سواروں نے ان پر نیزوں سے حملہ کیا، بہت سارے مجاہدین آزادی زخمی ہوئے یہاں سے مجاہدین نکل کر ڈھکی سراجاں میں جمع ہو گئے پولیس نے ان کا پیچھا کیا اور جگہ جگہ ان پر لاٹھی چارج کیا گیا۔ کئی مجاہدین نیزوں سے لہولہان ہو گئے یہاں سے نکل کر جلوس چوک گھاس منڈی میں جمع ہو گئے فوج نے یہاں بھی ان کو گھیرے میں لے لیا۔ ایک مجاہد بابو محمد صدیق نے آگے بڑھ کر ایک سپاہی کا نیزہ پکڑ کر کھینچ لیا۔ سپاہی گھوڑے سے سر نگوں ہو کر گر پڑا دوسرے سپاہی مشتعل ہو گئے۔ انھوں نے بندوقوں اور مشین گنوں سے مجمع کو ختم کرنے کی تیاری کی اسی وقت میجر محمد خاں گھوڑے پر سوار دوڑتے ہوئے آیا اور چلاتے ہوئے کہا، خبردار گولیاں مت چلاؤ، میں مہاراج کا نہیں بلکہ برٹش گورنمنٹ کا ملٹری آفیسر ہوں اس وقت تم میری کمان میں ہو، میجر محمد خاں کی مداخلت سے خون خرابہ رُک گیا۔ تمام لوگ زخمیوں کو ہاتھوں اور کندھوں پر لے کر ایک جلوس کی صورت میں یہاں سے روانہ ہو گئے۔

اُدھر جموں میں جلسے کی قیادت گوہر رحمان کر رہے تھے اور اُدھر اودھم پور میں اللہ رکھا ساغر کمان سنبھالے ہوئے تھے۔

اودھم پور میں احتجاجی جلوس پر فوج کے بجائے غیر مسلموں نے حملہ کیا جس سے ہندو مسلم فساد بھڑک اُٹھا بلوائیوں نے ملٹری کی موجودگی میں مسلمانوں کی دکانیں لوٹ لیں، ایک زبردست افراتفری مچ گئی، مسلم نوجوانوں نے بلوائیوں کا پیچھا کیا تو ان پر فائر کیے گئے، پانچ مسلم جوان، انکے ساتھ دو ہندو بھی گولیوں کا شکار ہو گئے۔ اودھم پور کے ساتھ ساتھ جموں کے دوسرے

علاقوں میں بھی جلسے اور جلوس کو تتر بتر کرنے کے لیے لاٹھی چارج کے علاوہ گولیوں کا آزادانہ استعمال کیا گیا، جگہ جگہ کرفیو لگائی گئی اور مظاہرین کو پکڑ کر اُن کی کینگ کی گئی۔

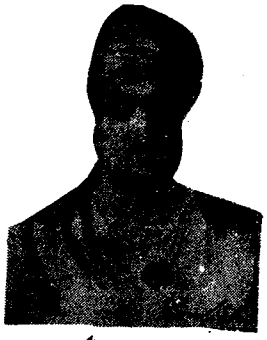
اودھم پور میں پانچ شہیدوں کو دفنانے کے لیے جلوس کی حفاظت عورتوں نے کرنے کا فیصلہ کر لیا اور مسلم خواتین نے جلوس کو اپنی تحویل میں نکال دیا ـــــ نواب خسرو جنگ کی ہدایت پر ڈوگرہ فوج کو چھاؤنی میں بھیج دیا گیا اور انگریز فوج نے سارے شہر کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے لیا اودھم پور کی اس خونی واردات نے جموں کے مسلمانوں کو پھر مشتعل کر دیا۔ ایک بہت بڑا جلوس اُردو بازار جموں میں جمع ہو گیا۔ اور حکومت کے خلاف احتجاجی مظاہرہ کرنے لگا یہ مظاہرے کئی دنوں تک جاری رہے۔ آہستہ آہستہ ان مظاہروں کا جوش ٹھنڈا پڑنے لگا، البتہ نومبر کے مہینے میں جب ادھر کی لشکر جموں میں داخل ہو گیا تو یہاں سول نافرمانی کی تحریک شروع ہو گئی۔ سول نافرمانی کی تحریک کے سلسلے میں مسجد شیر شاہ میں ینگ مینز ایسوسی ایشن کی ہنگامی میٹنگ ہو رہی تھی کہ پولیس اور فوج کی نگرانی میں دس ہزار افراد پر مشتمل غیر مسلم ہجوم نے ان پر گھیرا ڈال دیا۔ شیخ عبدالحق نے صورت حال کا اندازہ کیا تو وہ مسجد کے گنبد پر چڑھ کر نقارے پر ضرب لگانے کے ساتھ ساتھ "جہاد، جہاد" پکارنے لگا۔

ینگ مینز ایسوسی ایشن کے ممبران باہر آئے تو انھوں نے دیکھا غیر مسلموں نے انھیں گھیر لیا ہے اور وہ حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھ رہے ہیں۔ خلیفہ غلام پہلوان، سردار محمد سلیم خان اور انور خاں لاٹھیاں لے کر آگے بڑھے اور اندھا دھند لاٹھیاں برسا کر آگے بڑھے کئی لوگ اچانک اس وار سے زخمی ہو کر گر پڑے دوسرے لوگ ان واروں سے بچنے کے لیے پیچھے ہٹنے لگے ایک بھگدڑ سی مچ گئی جلوس درہم برہم ہوا، کسی کو بھی پتہ نہ چلا کہ کیا ہو رہا ہے بھاگ دوڑ میں کئی لوگ پاؤں تلے روندے گئے صرف تین آدمیوں نے دس ہزار کے قریب غیر مسلموں کو لاٹھیوں سے بھگا دیا۔ جموں کی تاریخ میں یہ ایک یادگار معرکہ تھا جس میں صرف تین مجاہدین نے دس ہزار لوگوں کو بھگا دیا۔ اتنے بڑے جمِ غفیر کو بھاگتے ہوئے دیکھ کر فوج مشتعل ہو گئی انھوں نے اندھا دھند فائرنگ کی پانچ آدمی موقع پر ڈھیر ہو گئے اور درجنوں زخمی ہو گئے اسی وقت شہر میں کرفیو نافذ کرنے کی منادی کرائی گئی جس کی وجہ سے مجاہدین کی نشستیں دو دن اور دو راتیں مسجد کے صحن میں کسی تجہیز و تکفین کے پڑی رہیں۔

اس معرکہ نے جہاں غیر مسلموں کو سخت بے دل و مایوس کر دیا اور وہ ہزیمت کھا کر

شرمسار ہوگئے وہاں مہاراجہ ہری سنگھ نے کسی ایسے دوسرے معرکے سے نپٹنے کے لیے برٹش سرکار سے فوجی مدد طلب کرلی، چنانچہ ۱۴ر نومبر کو فوج شہر میں داخل ہوگئی ڈوگرہ فوج واپس بارکوں میں چلی گئی۔

۱۵ر نومبر کو جنرل جنکنز کے حکم پر کرفیو دو گھنٹے کے لیے اُٹھا لیا گیا۔ مُسلمانوں نے تالاب کھٹیکاں سے پانچ شہیدوں کے جنازے اُٹھائے اور نمازِ جنازہ ادا کر کے انھیں قبرستان میں سپردِ خاک کیا گیا۔



مہاراجہ ہری سنگھ

پریشاں ہے ہر اک شاخِ سمن زنجیرِ سُنبل سے
چمن والو! چمن میں انقلاب ایسے بھی آتے ہیں

توہینِ مذہب اور توہینِ قرآن

جموں کی ینگ مینز ایسوسی ایشن نے جب مذہبی درسگاہ کو سیاسی پلیٹ فارم میں تبدیل کیا تو گورنر نے جموں کے بعض ڈوگروں کو استعمال میں لاکر یہاں کے مسلمانوں کو تنگ کرنے کا بیڑا اٹھایا اور ان کی دل آزاری کرنی شروع کی چنانچہ ۱۹ر اپریل ۱۹۳۱ء کو جو عید کا دن تھا میونسپل کمیٹی کی ایک پارک میں نمازِ عید ادا کی گئی ـــ نماز کے بعد امام صاحب نے خطبہ پڑھنا شروع کیا، امام منشی محمد اسحٰق خطبہ دے رہے تھے کہ ایک ڈوگرہ پولیس انسپکٹر پاپو کھیم چند، ڈی، آئی، جی چوہدری رام چند کی ہدایت پر آگے بڑھا اور اس نے ترُش لہجے میں امام صاحب سے تقریر بند کرنے کو کہا۔

پولیس آفیسر خطبہ کو عربی میں سیاسی تقریر سمجھ کر جو ناروا سلوک کر بیٹھا اسے دینی امور میں مداخلت قرار دیا گیا۔

مسلم حاضرین میں غیض و غضب کی لہر دوڑ گئی۔ اس نامناسب اور نازیبا حرکت کے خلاف جموں شہر میں کئی اجتماعات ہوئے مذہبی امورات پر دخل اندازی پر حکومت کو آڑے ہاتھوں لیا گیا، اور اس حرکت کے خلاف جموں شہر میں کئی روز تک مظاہرے ہوتے رہے۔ سرینگر میں جب اس کی اطلاع پہنچ گئی تو ریڈنگ روم کے عہدیدار اور ممبران میں ایک اضطراب پیدا ہوگیا بعض احباب اس بارے میں غور و خوض کرنے لگے تاکہ اس کی آڑ میں ڈوگرہ راج کے خلاف عوام کے جذبات بھڑکائے جائیں، چونکہ جموں میں توہینِ مذہب کا معاملہ ٹھنڈا پڑ چکا تھا اس لیے اس کو دوبارہ زندہ کرنا کچھ پیچیدہ لگ رہا تھا۔ البتہ جموں سے ایسا ہی کوئی دوسرا واقعہ وقوع پذیر کیے جانے کا فیصلہ لیا گیا تاکہ اس واقعہ کو ہاتھوں ہاتھ لے کر ایجی ٹیشن شروع

کی جائے، کافی سوچ بچار کے بعد توہینِ قرآن کا واقعہ پھیلانے کا فیصلہ کر لیا گیا تاکہ مذہبی جذبات اُبھار کر لوگوں کو ڈوگرہ راج کے خلاف اُکسایا جا سکے۔

توہینِ مذہب کے بعد توہینِ قرآن کے بغیر اور کوئی واقعہ عوام کو بیدار کرنے کے لیے کارگر نہیں ہو سکتا تھا اس لیے توہینِ قرآن کا فیصلہ لیا گیا۔

چنانچہ محمد مقبول حکاک کو جموں روانہ کیا گیا۔ جس نے جموں میں عبدالمجید قریشی کے ساتھ رابطہ قائم کیا۔ ینگ مینز ایسوسی ایشن کے چند ارکان نے آپس میں مشورہ کر کے اس کام کے لیے ایک مسلمان کانسٹبل کو اعتماد میں لے لیا۔

توہینِ قرآن کے بارے میں جموں اور سرینگر میں پوسٹر چھپوا کر تیار کر کے رکھ لیے گئے جموں میں عبدالمجید قریشی نے اخبار "کرن" کے ایڈیٹر محمد شفیع چک کے پاس پوسٹر چھپوا کر رکھ دیئے اور ادھر سرینگر میں اس سلسلہ میں ہاتھ سے لکھ کر پوسٹر تیار کرائے جانے لگے۔

حسب پروگرام شیخ محمد اسماعیل کانسٹبل نے جموں کی پولیس لائن میں ہیڈ کانسٹبل لابھا رام کے ذریعے توہینِ قرآن کا واویلا کیا جس روز توہینِ قرآن کا جموں شہر میں افشا ہوا، اس روز صبح سویرے محمد مقبول حکاک توہینِ قرآن سے متعلق پوسٹر لے کر سرینگر کی طرف روانہ ہو چکا تھا "اخبار کرن" کا ایک بنڈل بھی ان کے ساتھ تھا جس میں توہینِ قرآن کی تفصیل درج تھی۔

ڈوگرہ راج کے خلاف توہینِ قرآن کا یہ پری پلان بنانے اور اس کی آڑ میں تحریک شروع کرنے کے راز سے جموں اور سرینگر میں کل سات مسلم رہنما واقف تھے۔

توہینِ قرآن کے بارے میں ان حقایق کی تفصیل پروفیسر نورالدین کی ڈائری سے ملتی ہے۔ اس کے علاوہ شیخ عبداللہ نے مڈلٹن کمیشن کے سامنے مسلمانانِ کشمیر کی طرف سے شکایات کا جو دفتر کھولا۔ اس میں انھوں نے جموں میں عید کے خطبہ پر ایک ہندو پولیس آفیسر کے اعتراض کا ذکر کیا ہے جبکہ توہینِ قرآن کے بارے میں مکمل خاموشی سے کام لیا گیا۔ اس کا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ جس وقت محمد مقبول حکاک جموں سے سرینگر کی طرف پوسٹر اور اخبارات لے کر آ رہا تھا اس وقت سرینگر میں غلام محمد گلکار نہ پرستان کے گھر میں ہاتھ سے لکھ کر پوسٹر تیار کیے جا رہے تھے ان پوسٹروں کی تیاری میں غلام نبی گلکار۔ پیر یحییٰ رفیقی، مولوی عبدالرحیم، بشیر احمد اور نذیر احمد خاں لگے ہوئے تھے، جموں سے آئے ہوئے پوسٹر اور اخبار "کرن" کے پرچے ریڈنگ روم پہنچائے گئے اور سرینگر میں ہاتھ سے لکھے گئے پوسٹر لگوانے کے لیے غلام محمد گلکار اور نذیر احمد خاں

مقرر ہوئے۔

اسی دوران پوسٹروں کے بارے میں منشی اسداللہ وکیل نے راز افشا کیا جس کی وجہ سے ہاتھ سے لکھے گئے یہ پوسٹر لگتے ہی ہٹا دیئے۔ صرف چند پوسٹر گاؤکدل اور کٹہ بازار میں بچ سکے۔

جموں کے پوسٹر اور اخبارات لوگوں تک پہنچانے کے لیے صلاح مشورہ کیا گیا تاکہ انہیں ضبط ہونے سے بچایا جا سکے، پوسٹروں اور اخبارات کو چند آدمیوں میں بانٹ دیا گیا۔

شیخ عبدالصمد سکنہ فتحکدل نے حبہ کدل کے پاس ریشی صاحب کے آستانے سے گھنٹی اٹھالی اور ایک تانگہ کرایہ پر لیا، جس کو چھتہ بل کا مگہ شاہ چلا رہا تھا۔ تانگے پر بیٹھ کر اور گھنٹے پر ضرب لگا کر شیخ عبدالصمد لوگوں میں منادی (اعلان) کرا رہا تھا کہ توہینِ قرآن کے سلسلے میں ایک ہنگامی جلسے میں شرکت کے لیئے لوگ جامع مسجد تشریف لے آئیں۔ اعلان کرنے کے دوران شیخ عبدالصمد پوسٹر اور اخبارات مجمع میں پھینکتا جا رہا تھا۔

اِدھر یہ اعلان ہو رہا تھا اور اُدھر مولوی عبداللہ وکیل کا گھریلو نوکر محمد اسماعیل دیواروں پر پوسٹر چسپاں کر رہا تھا۔ ڈوگرہ سپاہیوں نے ایک جگہ انھیں پوسٹر چسپاں کرتے دیکھا تو ان کی مارپیٹ کی گئی لیکن وہ مار کھاتا گیا اور پوسٹر لگاتا گیا۔ محمد اسماعیل کو ہتھکڑیاں پہنا کر زینہ کدل تھانے کی طرف لیا گیا راستے میں ان کے پیچھے پیچھے ایک جمِ غفیر جمع ہو گیا اور اس طرح ایک جلوس کی صورت میں تھا نہ زینہ کدل لایا گیا۔

جمِ غفیر کو دیکھ کر تھانیدار نے محمد اسماعیل کو سرزنش کر کے چھوڑ دیا۔ محمد اسماعیل کو لوگ جلوس کی صورت میں جامع مسجد لے آئے۔ محمد اسماعیل تحریک آزادی کا پہلا قیدی بن گیا۔ اُدھر عبدمنصور کے پاس "اخبار کرن" کے پرچے تانگے سے پھینک کر توہینِ قرآن کا واقعہ افشا کیا گیا۔ سارے شہر میں اضطراب اور سنسنی پھیل گئی۔ لوگ جوق در جوق جامع مسجد آنے لگے۔

اس وقت جبکہ لوگ جامع مسجد میں جمع ہو رہے تھے، شیخ محمد عبداللہ کو ریڈنگ روم میں پہلی عوام سے متعارف کرانے کے لیے تیار کیا جا رہا تھا۔ قاری نورالدین شیخ محمد عبداللہ کو وہ قرآنی آیت یاد کرا رہے تھے جو وہ توہینِ قرآن کے سلسلے میں بلائے گئے اجتماع میں پڑھنے والے تھے آیت یاد کرنے کے ساتھ ساتھ شیخ عبداللہ سے تقریر کرنے کی مشق بھی کرائی گئی۔

شیخ عبداللہ نے اسٹیج پر آ کر "اِنَّآ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ.." کی تلاوت کی

اور پھر رقت آمیز لہجے میں فرمایا:

"جب تک حکومت قرآن کریم کی توہین کرنے والوں کو سزا نہیں دے گی ہم چین سے نہیں بیٹھیں گے اور جب تک مسلمانوں کو حقوق نہیں دیے جائیں گے تعلیم یافتہ مسلمان ایجی ٹیشن سے باز نہیں آئیں گے۔"

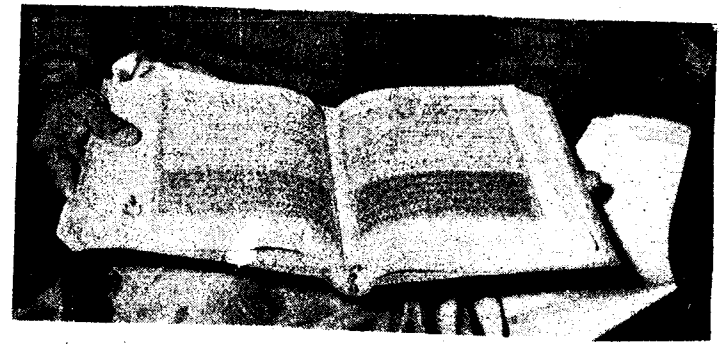
یہی وہ الفاظ تھے جن سے شیخ عبداللہ نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کیا اور وہ بہت جلد کشمیر کی سیاست پر حاوی ہو گئے ڈوگرہ شاہی کے خلاف یہ الزام سراسر جھوٹ پر مبنی تھا۔

شیخ عبداللہ کے اس فرمان پر لوگوں نے زور زور سے تالیاں بجا کر اُن کا استقبال کیا مولوی عبداللہ وکیل نے توہینِ قرآن کی پاداش میں ڈوگرہ شاہی سے ٹکر لینے، ہڑتال کرنے جلسے کرنے اور جلوس نکالنے کے لیے لوگوں کو اُکسایا۔

جلسہ ختم ہونے پر لوگوں کا جمِّ غفیر نعرۂ تکبیر اللہ اکبر، اسلام زندہ باد کے نعرے بلند کرتا ہوا آگے بڑھا۔

توہینِ قرآن کا یہ پلان بڑا کارگر ثابت ہوا، کیونکہ جموں اور سرینگر میں بیک وقت اسکے خلاف آواز اُٹھ گئی۔ جموں اور کشمیر میں لوگ ڈوگرہ راج کے خلاف میدانِ کارزار میں کود پڑے۔

توہینِ قرآن کے اس واقعہ کے بارے میں تمام دستاویزات میں کسی جگہ بھی اس حقیقت کو آشکارا نہیں کیا گیا کہ یہ ڈوگرہ حکومت کے خلاف لوگوں کو اُکسانے کا ایک بنا بنایا پلان تھا اور اس کو بھی کسی کی طرف سے ضبطِ تحریر میں نہیں لایا گیا کہ، ویکفیلڈ کمیشن کے سامنے جب شیخ محمد اسماعیل کانسٹبل کو قرآن پر ہاتھ رکھ کر صاف صاف واقعہ بتانے کو کہا گیا تو انھوں نے اصل واقعہ بتا کر اپنے لیے نوکری سے ڈسمس ہونے کا پروانہ حاصل کر لیا۔



اس دہر میں اک چشمِ معتبر کی کمی ہے
ورنہ ہے کیا جو نیرے سراپا میں نہیں ہے

مولوی یوسف شاہ کا سیاست میں ورود اور عبدالقدیر کی شمولیت

مولوی محمد یوسف شاہ دیوبند سے فارغ التحصیل ہو کر واپس آئے تھے۔ ان کے ساتھ مولوی [illegible] شاہ اندرابی، مولانا عبدالکبیر، مولوی محمد یوسف وترھیلی بھی آئے تھے۔



مولوی یوسف شاہ

لوگ مولوی خاندان کے ایک زمانے سے گرویدہ تھے، وہ جہاں بھی جاتے لوگ انھیں سر آنکھوں پر بٹھاتے، مولوی خاندان عزّت و احترام کا ایک گہوارہ تھا۔

مولوی رسول صاحب، مولوی احمداللہ صاحب، مولوی عتیق اللہ صاحب اور مولوی یوسف صاحب کے لوگ گرویدہ تھے۔ مولوی خاندان وعظ خوانی کے ساتھ ساتھ لوگوں کو [illegible] سیاسی طور پر بیدار کرنے میں پیش پیش رہا۔ چنانچہ جب مولوی یوسف شاہ دیوبند سے واپس آگئے [illegible] انھوں نے مذہبی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ سیاسی سرگرمیاں شروع کیں، مولوی محمد یوسف [illegible] شاہ نے شیخ محمد عبداللہ کے بارے میں سُنا تو مفتی جلال الدین کے گھر میں ان دونوں کی مُلاقات [illegible] گئی۔ یہیں پر مولوی صاحب نے شیخ عبداللہ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر انہیں شاباشی دی۔

توہینِ قرآن کے سلسلے میں بُلائے گئے جلسے کے بعد جامع مسجد سرینگر سیاسی سرگرمیوں کا [illegible] مرکز بن گئی۔ مگر اس مسجد پر میر واعظ خاندان کا تسلّط تھا چنانچہ ان کا تعاون ضروری

سمجھا گیا۔ میر واعظ عتیق اللہ ان دنوں مشن ہسپتال درگجن میں زیر علاج تھے اور ان کی جگہ مولوی یوسف شاہ نائب میر واعظ کی حیثیت سے جامع مسجد میں وعظ فرماتے تھے۔ کئی مجاہدین نے جب مولوی یوسف شاہ سے رابطہ قائم کر کے انہیں جامع مسجد کو سیاسی پلیٹ فارم کے طور پر استعمال کرنے اور خود بھی اس معرکے میں کودنے کی درخواست کی تو مولوی یوسف شاہ نے انھیں اس سلسلے میں مولوی عتیق اللہ سے ملنے اور اُن کی اجازت حاصل کرنے کا مشورہ دیا۔ ان دنوں اسی ہسپتال میں غلام احمد عشائی صاحب اور دوسرے لوگ امیر شاہ کی خبر پرسی کے لیے جاتے تو وہ مولوی عتیق اللہ سے بھی ملاقات کرتے اور مولوی عتیق اللہ سے ملنے والے عشائی صاحبان سے بھی مل لیتے اس طرح مشن ہسپتال درگجن مذہب اور سیاست کا ایک رابطہ بن گیا، چنانچہ مولوی عتیق اللہ سے ان کی غیر موجودگی میں مولوی یوسف شاہ کو ڈوگرہ شاہی کے خلاف میدان جہاد میں اُترنے کی اجازت مانگی گئی۔

مولوی عتیق اللہ اس مسئلہ پر ابھی غور ہی کر رہے تھے کہ نوجوانوں کی ایک ٹولی جس کی قیادت شیخ عبدالصمد کر رہے تھے۔ مولوی عتیق اللہ سے ملاقاتی ہوئی اور انھوں نے مولوی یوسف شاہ کے میدان سیاست میں اُترآنے کی اجازت حاصل کر لی۔

مولوی یوسف شاہ کے میدانِ سیاست میں اُترنے کا چرچا ہوا تو گورنر نے اپنے مشیروں سے مشورہ کر کے مولوی یوسف شاہ کو اس جماعت سے دور رکھنے کا فیصلہ کر لیا، چنانچہ مرزا غلام مصطفیٰ، منشی اسد اللہ وکیل اور عبدالرحیم بانڈے کو مولوی عتیق اللہ اور مولوی یوسف شاہ کے پاس بھیج دیا گیا تاکہ وہ ان سیاسی لوگوں سے دور رہیں جو حکومت کی نظروں میں گمراہ ہو گئے تھے۔

ان تینوں اشخاص نے مولوی یوسف شاہ کو اپنے ساتھ مولوی عتیق اللہ کے پاس درگجن ہسپتال لیا اور جب مولوی عتیق اللہ کو ان اشخاص کی غرض وغایت معلوم ہوئی تو انھوں نے ان تینوں کو دوبارہ ان کے پاس نہ آنے کے لیے کہا اور ان کے سامنے مولوی محمد یوسف شاہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔

" خدا تمہیں قوم کی خدمت کرنے کی توفیق دے " دونوں مولوی صاحبان نے یک زبان ہو کر کہا، "آمین"۔۔۔ مولوی عتیق اللہ سے دُعا لے کر مولوی یوسف شاہ ریڈنگ روم گئے انھوں نے وہاں حاضرین کو مشورہ دیا کہ وہ شیخ محمد عبداللہ کو اپنا لیڈر تسلیم کریں، چنانچہ جامع مسجد کے ایک اجتماع میں مولوی یوسف شاہ نے شیخ محمد عبداللہ کو لوگوں سے متعارف کرایا اور ان سے تاکید کی کہ وہ آج سے انھیں اپنا لیڈر تسلیم کریں اور ان کے نقش قدم پر چلیں۔

توہین قرآن کے سلسلے میں بلائے گئے جلسے کے بعد تقریروں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا ان کا

اہتمام مولوی عبدالرحیم غلام نبی گلکار، منشی نصیرالدین اور بشیر احمد کر رہے تھے۔ تقریروں کے ساتھ ساتھ تحریریں بھی منظرِ عام پر آنے لگیں، ڈوگرہ شاہی کے خلاف بیرونی اخبارات میں آئے دن آرٹیکل چھپنے لگے۔ اور اس کام میں کشمیری مسلم رہنماؤں کی مدد محمد دین فوق، غلام رسول مہر اور عبدالمجید سالک کر رہے تھے۔ ان حضرات نے کئی اخبارات کے ساتھ رابطہ قائم کر رکھا تھا اور وہ سرینگر وجموں سے ڈوگرہ راج کے خلاف جدوجہد کی خبریں نمایاں طور پر شائع کرتے اور کرواتے تھے۔ اس سلسلے میں اخبار "الفضل"، "انقلاب"، "زمیندار"، "کشمیر"، "پاسبان"، "کرن"، "سیاست"، اور دوسرے اخبارات قابلِ ذکر ہیں۔

حکومت کے خلاف عوامی تحریک کا میجر ایبٹ اور عبدالقدیر بغور مشاہدہ کر رہے تھے عبدالقدیر مہاراجہ ہری سنگھ کے خلاف اجتماعات میں برابر شریک ہو رہا تھا اور ان اجتماعات کی ساری رپورٹ میجر ایبٹ کو پیش کیا کرتا تھا۔

ایک تپتی دوپہر میں میجر ایبٹ اور سابقہ ریذیڈنٹ کشمیر سن فلوئر نامی شکارے جسے عزیز وانگنو اور اُس کا چھوٹا بھائی چلا رہا تھا۔ اس میں سوار ہو کر جھیل ڈل کی سیر کو نکلے ان کے ہمراہ عبدالقدیر بھی تھا۔ اتفاق سے یہ جمعہ کا دن تھا اور حضرت بل میں مسلمانوں کا اجتماع ہو رہا تھا۔ عبدالقدیر نے میجر ایبٹ سے کہا۔

"مجھے گھاٹ پر چھوڑا جائے تاکہ میں عبادت میں شامل ہو جاؤں"

میجر ایبٹ نے انہیں عبادت کرنے کی اجازت دیدی اور جب عبدالقدیر درگاہ کے گھاٹ پر اُترا تو انھوں نے ہاتھ کھڑا کر کے عبدالقدیر سے کہا۔

" عبادت میں اپنے گاڈ سے دعا کرنا کہ وہ مظلوم کشمیریوں کو ظالم حکمرانوں سے نجات دے"

یہ ایک طرح کا اشارہ تھا اور اس بات نے عبدالقدیر کے دل میں احساس بیداری جگایا۔ عبدالقدیر ویسے بھی بڑا دردمند اور رحم دل کے ساتھ بڑا جوشیلا جوان تھا۔ میجر ایبٹ کے مشن کی تکمیل میں انہوں نے نماز جمعہ کے بعد ایک مختصر سی تقریر کی لیکن جو پُراثر اور جوشیلی تھی اس تقریر کے ساتھ ہی سارے شہر میں ان کا چرچا ہوا۔

حضرت بل کی اس تقریر کے بعد عبدالقدیر نے گرفتاری سے بچنے کے لیے اپنے کپڑے محمد امین فاروقی صاحب کے گھر میں بدل دیئے چنانچہ اُن کا کوٹ اب بھی یہاں موجود ہے۔ محمد امین فاروقی اور عبدالقدیر ایک دوسرے کے قریب آ گئے اور اُن سے مشورے لینے لگے۔

اس نئی صورت حال کو دیکھ کر حکومت حرکت میں آگئی۔ ڈوگرہ حکمرانوں کا پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا اور اس نے اس کا تدارک کرنا شروع کیا۔

کشمیر کے گورنر رائے زادہ تر لوک چند نے معززین شہر جن میں مولوی عبداللہ وکیل مولوی مصطفےٰ خواجہ سعدالدین شال، منشی اسداللہ وکیل، غلام محی الدین کا وسہ، مولوی یوسف شاہ، میر مقبول گیلانی، عبدالرحیم بانڈے، مفتی شریف الدین اور غلام محی الدین گنگو شامل تھے۔ ان کو اپنے ہاں بلایا اور تنبیہہ کی کہ وہ تقریروں کا سلسلہ فوری طور پر بند کروائیں، انھوں نے حاضرین کو بتایا مہاراجہ بہادر نے توہین قرآن کے سلسلے میں ایک کمیشن مقرر کیا ہے جو واقعات کی انکوائری کر کے عنقریب اپنی رپورٹ پیش کرے گا اور اس کے بعد اس پر مناسب کارروائی کی جائے گی۔

گورنر کی اس تنبیہہ سے چند افراد ضرور گھبرا گئے اور انھوں نے ان جلسے جلوسوں سے نہ صرف لاتعلقی کا اظہار کیا بلکہ گورنر کو مشورہ دیا کہ جو کوئی آئندہ ایسا کرے گا ان کو گرفتار کروا کر اس کی سزا دی جائے۔

حکومت نے توہین قرآن کی تحقیقات کرانے کے لیے مسٹر ویکفیلڈ کو جموں روانہ کیا، انھوں نے واپسی پر جو رپورٹ دی اس میں انھوں نے پولیس آفیسر کو توہین قرآن کے الزام سے بری کر دیا البتہ ان کی تیز مزاجی کے باعث ملازمت سے ریٹائر کرنے کی سفارش کی۔ مسلم کانسٹبل کو جھوٹ کا اعتراف کرنے کی پاداش میں ملازمت سے برخاست کیا گیا۔

جموں میں توہین قرآن کی تحقیقات کرانے کے لیے مسٹر ویکفیلڈ نے جموں کے مسلم نمائندگان کے ساتھ مختلف امور پر تبادلۂ خیال کیا اور ان کو ہدایات دیں کہ وہ اپنی شکایات مہاراجہ بہادر کی خدمت میں پیش کریں چنانچہ مطالبات کا چارٹر مکمل کرنے کے لیے چار ممبر نامزد کیے گئے۔

(۱) چودھری عباس خاں (۲) مستری یعقوب علی (۳) سردار گوہر رحمان (۴) شیخ عبدالحمید۔

یہ چاروں ممبران سرینگر روانہ ہوگئے۔

جموں کے ان ممبران نے سرینگر آکر یہاں کے مسلم رہنماؤں کے ساتھ کئی ملاقاتیں کیں۔ اور فیصلہ لیا گیا کہ تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے مل جل کر کام کیا جائے۔

اسی دوران خانقاہ معلیٰ میں ایک جلسۂ عام کا اہتمام کیا گیا۔ اپنی نوعیت کا یہ پہلا عظیم الشان جلسہ تھا۔ اس میں مسلمانوں کے تمام فرقوں نے حصہ لیا، مردوں کے ساتھ ساتھ عورتیں بھی خاصی تعداد میں شریک ہوئیں۔

اس اجتماع کے انتظام میں نوجوان سن رسیدہ بوڑھوں کے ساتھ کام کر رہے تھے۔

خانقاہ معلیٰ میں مولوی یوسف شاہ کی پہلی حاضری تھی۔ جب تمام ذی عزت اور سربرآوردہ مسلمان جلسہ میں پہنچ گئے۔ میرواعظ احمداللہ ہمدانی کے ساتھ مولوی عبداللہ وکیل اسٹیج پر آگئے تو شیخ محمد عبداللہ، مولوی یوسف شاہ کو ڈیوڑھی تک خوش آمدید کہنے آگئے۔ جب میرواعظ تشریف لائے تو حاضرین نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا۔ شیخ محمد عبداللہ نے اپنی مختصر تقریر میں فرمایا:-

"مسلمان قوم بیدار ہو رہی ہے اور اپنے پیدائشی حقوق ڈھونڈ رہی ہے اس وقت موقع ہے کہ ہم آپس میں مل بیٹھ کر ایک دوسرے کی اعانت کریں یہی وجہ ہے کہ اس وقت نہ ہم حنفی، شیعہ، سُنّی، مرزائی، وہابی وغیرہ ہیں بلکہ ہم سب مسلمان ہیں ہم نے نفرت کو پس پشت ڈال دیا ہے اور اس پاک زیارت میں حاضر ہوئے ہیں، میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ کشمیری پنڈتوں سے کہتا ہوں کہ وہ بھی قوم کے حقوق حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں کے ہاتھ بٹائیں۔ وہ تعلیم یافتہ ہیں بیدار مغز ہیں اور وہ مسلمانوں کی بہتر رہبری کر سکتے ہیں۔"

شیخ عبداللہ کی تقریر کے بعد مولوی یوسف شاہ اپنے حریف مولوی عبداللہ وکیل کے ساتھ گلے مل گئے اور اعلان کر دیا کہ:

"چاہے آج تک ہم آپس میں مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے درمیان کچھ بھی رشتہ رہا ہو، اب آئندہ اسلام کا ننگ و ناموس بچانے اور اسلامیانِ کشمیر کو حقوق دلانے کی خاطر ہم آپس میں ایک ہو رہے ہیں اور مرتے دم تک ایک رہیں گے، وہ کافر اور بے ایمان ہے جو اس میں رخنہ ڈالے۔"

میرواعظ یوسف شاہ کے اس فرمان سے متفق ہو کر میرواعظ احمداللہ ہمدانی اور مولوی عبداللہ وکیل نے کھڑے ہو کر مولوی یوسف شاہ سے وفاداری اور خلوصِ دل کا اظہار کیا، اس کے بعد سات نمائندوں پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جو آپس میں صلاح مشورہ سے مطالبات کا ایک چارٹر بنائے گی اور اسے مہاراجہ کی خدمت میں پیش کرے گی۔ وفد میں شامل اصحاب کے نام غلام احمد عشائی نے کھڑے ہو کر عوام کے سامنے پڑھ کر سنائے۔

(۱) خواجہ سعدالدین شال (۲) میرواعظ مولوی یوسف شاہ (۳) میرواعظ احمداللہ ہمدانی

(۴) آغا سید حسین جلالی (۵) خواجہ غلام احمد عشائی (۶) شیخ محمد اللہ (۷) منشی شہاب الدین جلسہ کے برخاست ہونے کے بعد معززین شہر، مولوی حضرات اور دوسرے اکابرین جب روانہ ہو گئے تو حاضرین میں سے ایک جوان کھڑا ہو گیا اور اسٹیج پر آ کر ہندوؤں کے ساتھ ساتھ حکومت کے خلاف زہر اگلنے لگا۔

اس جوان نے حکومت کی غفلت شعاری اور فرقہ پرستی پر کڑی تنقید کی ان کی تقریر کا موضوع "اسلام ظالم کے بارے میں کیا رویہ اختیار کرنے کو کہتا ہے" تھا۔

انھوں نے اجتماع سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"لوگو! وقت آ گیا ہے کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جائے، یا دد اشتوں اور گذارشوں سے ظلم و ستم میں کوئی فرق نہیں آئے گا اور نہ ہی توہین قرآن کا مسئلہ حل ہوگا۔ تم اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جاؤ اور ظالم کے خلاف لڑو....."

انھوں نے راج محل کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"اس کی اینٹ، اینٹ سے بجا دو"

یہ جوان عبدالقدیر تھا۔ انھوں نے اس سے قبل کتنی بار شیخ عبداللہ سے ملاقات کر کے ان کے سامنے یہ تجویز رکھی تھی کہ مسلمانوں کو اپنے حقوق دلانے کے لیے میں آپ لوگوں کے شانہ بشانہ کام کرنا چاہتا ہوں مگر شیخ عبداللہ نے ان کی اس تجویز کے ساتھ اتفاق نہیں کیا تھا اور نہ ہی عوام کے سامنے انھیں تقریر کرنے کی اجازت دی تھی۔ شیخ صاحب کا کہنا تھا ایک غیر ریاستی باشندے کو اپنی تحریک میں شامل کرنا مناسب نہیں ہے۔

لیکن آج عبدالقدیر نے اپنے دل کی بھڑاس نکال ہی دی اور تحریک کو ایک ایسا موڑ دیا، جس کو رہتی دنیا تک دہرایا جائے گا۔

باب (۲)

ریاست کے خونین واقعات

بیکسوں کی آہیں مظلوموں کی چیخیں دردناک
ہر طرف سے سن رہے ہیں آج بھی ہم زیر خاک

جُز

صفحہ

۱۔ عبدالقدیر کا مقدمہ، اور جامِ شہادت پینے کا آغاز ——— ۶۳

۲۔ ریاست کے اندرونی واقعات اور بیرونی پریس ——— ۷۵

۳۔ رہنمایانِ قوم کی گرفتاری اور اس کی حشر سامانی ——— ۸۱

۴۔ سرینگر میں مارشل لار کا نفاذ بیرونِ شہر فسادات ——— ۸۹

۵۔ مہاراجہ ہری سنگھ اور کشمیر ایکارڈ ——— ۹۹

۶۔ کشمیر ایکارڈ اور اس کے اثرات ——— ۱۰۷

۷۔ تحریکِ حرّیت کا دوسرا پڑاؤ ——— ۱۱۵



میرواعظ مولوی محمد یوسف شاہ
جنہوں نے تحریک کو ایک نیا موڑ دیا



شیخ محمد عبداللہ
میدانِ سیاست میں اُترنے کے وقت

جن کو پالا خونِ دل سے ہم نے اے چرخِ کہن
خون کے دریا میں تو نے اُن کو غلطاں کر دیا

ریاست کے خونی واقعات

۱۹۳۱ء کا سانحہ

عبدالقدیر کے خلاف رنبیر پینل کوڈ کی دفعہ ۱۲۴ (الف) اور ۱۳۵ کے تحت بغاوت اور غداری کا مقدمہ دایر کیا گیا۔ سیشن جج کشن لال کچلو کی عدالت میں ان کا مقدمہ زیرِ سماعت تھا اور ان کی طرف سے مقدمہ کی پیروی مولوی عبداللہ وکیل پیر قمرالدین اور غلام محمد ایل ایل بی کرنے لگے۔

ابتدا میں مسلم رہنماؤں نے عبدالقدیر کے اس مقدمے سے لاتعلق رہنے کا فیصلہ کر لیا لیکن عام لوگوں کے جوش و جذبہ کو دیکھ کر انھوں نے اسے تحریک کے حق میں موڑنا شروع کیا۔ عبدالقدیر کی طرف سے ڈوگرہ شاہی کے خلاف جو چنگاری بھڑکی تھی غلام نبی گلکار نے اسے آگ میں بدلنے کی تجویز پیش کی جسے شیخ عبداللہ نے نامنظور کیا، اس مقدمہ بازی میں عوام کی دلچسپی کو مدِّ نظر رکھ کر حکومت نے فیصلہ کر لیا کہ مقدمہ کی سماعت سینٹرل جیل کے احاطے میں ہوگی اس فیصلے سے لوگوں میں سخت تشویش بڑھ گئی۔

۱۲ر جولائی ۱۹۳۱ء کو گاؤکدل میں ایک بڑے عوامی اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے غلام نبی گلکار اور مولوی عبدالرحیم نے اس مقدمہ کو سینٹرل جیل میں منتقل کرنے پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور حکومت کو یہ فیصلہ واپس لینے کی وارننگ دی، اس جلسہ میں آخیر پر شیخ عبداللہ نے بھی لوگوں سے خطاب فرمایا، لیکن انھوں نے عبدالقدیر اور اس کے مقدمے کے بارے میں خاموشی اختیار کر لی۔

دوسرے روز ۱۳ر جولائی کو مقدمہ کی پیروی کے سلسلے میں مولوی عبداللہ وکیل پیر قمرالدین

اور غلام محمد احاطہ سینٹرل جیل پہنچے تو یہاں جیل سے باہر لوگوں کی خاصی بھیڑ جمع ہوگئی تھی۔ جو "نعرۂ تکبیر اللہ اکبر، انصاف زندہ باد، عبدالقدیر زندہ باد" کے فلک شگاف نعرے لگا رہے تھے۔ سیشن جج کشن لال کچلو کی کار جب سڑک سے آکر پھاٹک کے اندر داخل ہوئی تو قریباً ڈھائی سو اشخاص نعرے لگاتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ سیشن جج کے اصرار پر مولوی عبداللہ وکیل نے لوگوں کو احاطۂ عدالت سے باہر رہنے کی تلقین کی۔ لوگ بڑی مشکل سے باہر آئے۔ کئی معزز شہریوں نے یہاں پر نماز پڑھنے کے بعد پُرامن طور پر واپس اپنے اپنے گھروں کو لوٹنے کا اقرار کر لیا۔ کوئی ایک بجے کے قریب نماز کے لیے صفیں درست ہونے لگیں، دوسری طرف ہنگامہ ہوگیا۔ کئی لوگ بضد تھے کہ انھیں مقدمے کی کارروائی سننے کے لیے اندر جانے کی اجازت دی جائے، آخر کافی لے دے کے بعد چند آدمیوں کو اندر جانے کی اجازت مل گئی۔ اتنی بڑی بھیڑ میں چند لوگوں کا انتخاب افراتفری میں بدل گیا۔ اسی اثنا میں گورنر رائے زادہ ترلوک چند آگئے۔ جیل حکام نے ان سے پبلک کی مداخلت کی شکایت کی۔ گورنر نے پبلک پر ایک اُچٹتی نظر ڈال کر ان کا موڈ دیکھ لیا۔ تو انہیں غصہ آیا، انھوں نے سپاہیوں کو جیل کے گیٹ پر کھڑے لوگوں کو ہٹانے کو کہا، پولیس نے اندھا دھند طریقے سے لوگوں کو ہٹانا شروع کیا، بعض لوگوں نے گورنر سے اندر جانے کی اجازت مانگی، گورنر نے ان اشخاص کو گرفتار کرنے کا حکم دیا، سپاہی ان کو پکڑنے لگے تو ایک بھگدڑ مچ گئی۔ گورنر ترلوک چند نے جنرل ڈائر بنکر ہجوم پر گولی چلانے کا حکم دیدیا۔

پولیس جو گھات لگا کر بیٹھی تھی۔ اندھا دھند گولیاں برسانے لگی۔ آن کی آن میں گولیوں کی بارش ہوگئی، جیل کے گیٹ سے باہر سترہ آدمی ڈھیر ہوگئے۔ پانچ شدید زخمی ہوگئے جو فوری طور پر طبّی امداد نہ ملنے کی وجہ سے شہیدوں میں شامل ہوگئے۔ بیشتر شہداء کے سینوں کے بجائے ان کی کمر میں گولیاں لگی تھیں، جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اجتماع سے بھاگ رہے تھے۔

اس ساری صورت حال سے شیخ محمد عبداللہ بالکل بے خبر تھے، وہ اُس وقت نواب بازار پُل کے پاس ایک گھر میں بیٹھے تھے۔ وہ عبدالقدیر کے اس مسئلے میں اپنے آپ کو علیحدہ رکھے ہوئے تھے۔ انھوں نے لوگوں سے بھی تاکید کی تھی کہ وہ سینٹرل جیل نہ جائیں لیکن ان کی کسی نے ایک نہ سُنی۔ عبدالقدیر کا ساتھ دینے اور اسے اپنی تحریک کے لیے استعمال کرنے پر وہ اپنے چند ساتھیوں سے ناراض بھی تھے۔ جیل کے احاطے میں ۲۲ شہیدوں کے ساتھ زخمیوں کی تعداد میں لوگ زخمی ہوئے، کشمیر کے اس جنرل ڈائر کی سفاکی سے مشتعل ہوکر لوگ آپے سے

باہر ہوگئے انھوں نے دھاوا بول کر کئی سپاہیوں کو پکڑ کر پاؤں تلے روند ڈالا اور پولیس لائن کے کوارٹروں سے ان لوگوں نے چارپائیاں اُٹھا لیں اور ان پر شہیدوں کے ساتھ زخمیوں کو بھی رکھ دیا، کئی لوگوں نے جاکر پولیس کوارٹر میں آگ لگا دی۔

شہیدوں اور زخمیوں کو لیکر ایک ماتمی جلوس شہر کی طرف روانہ ہوگیا، سارا شہر یہ خبر سنکر ماتم کدہ بن گیا۔ دوکانیں بند ہوئیں، کاروبار معطل ہوگیا۔ ٹریفک رُک گیا۔ لوگ جوق در جوق آنے لگے۔ لوگوں کا ایک ہجوم شہیدوں کو جامع مسجد کی طرف لے جا رہا تھا کہ ملکھاہ کے پاس فوجیوں نے اس ہجوم کو روکا اور ان سے لاشوں کو چھین لینا چاہا، اس طرح ایک اور تصادم ہوا، اس تصادم میں فوجی کمانڈر نے دور اندیشی سے کام لے کر پیچھے ہٹنے میں ہی مصلحت سمجھی، جب جمِّ غفیر جامع مسجد پہنچا تو یہاں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ زخمیوں کو چارپائیوں پر لٹا کر لوگ انہیں مہاراج گنج ہسپتال لے جانے لگے۔ جب جلوس زینہ کدل اور مہاراج گنج کے بیچ پہنچ گیا تو مشتعل ہجوم نے دکانداروں کو دُکانیں بند کرنے کو کہا مسلمانوں کی بیشتر دُکانیں پہلے ہی بند ہوچکی تھیں، باقی دکانیں جلدی جلدی بند ہونے لگیں۔ اس علاقے میں پنجابی کھتریوں نے دُکانیں بند کرنے میں ہچکچاہٹ اور تساہل سے کام لیا۔ تو ان دکانوں پر دھاوا بول کر مال و اسباب باہر پھینک دیا گیا۔ کچھ مال لوٹ بھی لیا گیا کئی ہندوؤں کو پکڑ کر زدوکوب کیا گیا۔

اس لوٹ مار اور نامعقول حرکت کا جواز یہ پیش کیا گیا کہ ان ہندوؤں نے ماتمی جلوس کا تمسخر اُڑایا تھا۔

نواب بازار کے مکان پر جب شیخ عبداللہ کو اس ساری صورت حال سے آگاہ کیا گیا تو انھوں نے اس کی تصدیق کے لیے مولوی عبدالرحیم کو بھیجدیا۔ مولوی عبدالرحیم جب ہانپتے کانپتے آیا تو انھوں نے شیخ صاحب کو زینہ کدل مہاراج گنج اور بھوری کدل کی لوٹ مار سے واقفیت کرائی دونوں فوراً زینہ کدل کی طرف روانہ ہوگئے۔

اس دوران پولیس اور ملٹری زینہ کدل کے علاقے میں پہنچ چکی تھی اور بدلے کی کارروائی میں وہ مسلمانوں کو پکڑ کر مار پیٹ کر رہی تھی۔ مسلمانوں میں جو بھی ہاتھ لگا اسے گرفتار کر لیا گیا اور لوٹ کا مال برآمد کرنے کے لیے گھر گھر کی تلاشی لی گئی اس تلاشی کے دوران بہت سارے گھرانوں کا ان کا اپنا اثاثہ چھین لیا گیا۔ اس کارروائی میں کئی عورتوں کی آبروریزی بھی کی گئی۔

اُدھر شہیدوں کو جامع مسجد پہنچایا گیا، خواجہ غلام احمد عشائی، سعدالدین شال اور مولوی یوسف شاہ لوگوں سے صبر کرنے کی تلقین کر رہے تھے۔ جامع مسجد کے اندر چاروں طرف آہ و زاری کا شور تھا۔ شہیدوں اور زخمیوں کے عزیز و اقارب ان کے اردگرد سینہ کوبی کر رہے تھے۔ کچھ دیر کے بعد شیخ عبداللہ اور دوسرے لیڈر جامع مسجد پہنچے تو یہاں کی صورت حال نے انہیں دم بخود کر دیا وہ دیوانہ وار آگے بڑھ کر ان شہیدوں کو دیکھ رہے تھے۔ شیخ عبداللہ اور ان کے دوسرے ساتھی جب ایک کے بعد ایک شہید کا معائنہ کرنے لگے تو ان کے عزیز و اقارب گریہ زاری سے ماحول کو ماتم زدہ بنا رہے تھے۔

بقول شیخ عبداللہ ایک شہید جو جانکنی کی حالت میں تھا، مجھ کو دیکھ کر نحیف آواز میں بولا:

"شیخ صاحب۔ ہم نے اپنا فرض ادا کیا، اب آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ اپنا فرض پورا کریں....."

یہ کہہ کر اس نے آخری ہچکی لی اور اپنی جان، جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔

شیخ صاحب نے اپنی سوانح حیات "آتش چنار" کو اسی شہید کے نام پر منسوب کیا ہے۔ اور اپنی اس کتاب میں شہید کے الفاظ بطور انتساب کے کچھ اس طرح پیش کئے ہیں گویا انھوں نے اس شہید کی وصیت کو ملیامیٹ کرنے کے بجائے اس کی لاج رکھ لی تھی۔

جامع مسجد میں آہ و بکا جاری تھی۔ شہیدوں کو دفنانے کے بارے میں صلاح مشورہ ہو رہا تھا کہ فوجی وردی میں ملبوس نواب خسرو جنگ آ گئے۔ یہاں کا ماحول دیکھ کر نواب صاحب سخت مغموم ہوئے اور حاضرین کو دلاسہ دینے لگے، اس وقت کسی نے بھی ان کی طرف خاص توجہ نہ دی، وہ واپس چلے گئے۔ رات گئے تک شہیدوں کو دفنانے کا کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا تو جامع مسجد کے چاروں دروازے بند کر دیئے گئے، تاکہ ڈوگرہ فوج رات کی تاریکی میں ان لاشوں کو اُٹھا نہ لے جائے۔ جوانوں کی ایک ایک ٹولی چاروں دروازوں پر پہرہ دینے کے لیے متعین کی گئی اور ایک جماعت کو لاشوں پر پہرہ دینے کی ذمہ داری سونپی گئی۔

باہر ٹھاکر کرتار سنگھ نے پولیس کا پہرہ بٹھا دیا تھا اور اندر ان لاشوں کی نگرانی شیخ عبدالصمد، محمد مقبول حکاک، مولوی بشیر احمد اور علی محمد کے ساتھ دوسرے جواں کر رہے تھے۔ چاروں گیٹوں کی نگرانی میں راجہ محمد اکبر خاں، مفتی جلال الدین، غلام حیدر غوری، پیر حسام الدین گیلانی، منشی عبدالعزیز، سید محمد مقبول بیہقی، شیخ محمد اکبر، جلال الدین قریشی، ڈاکٹر عبدالواحد، عبدالعزیز شال

اور شیخ محمد امین وغیرہ کر رہے تھے۔

صبح سویرے علی محمد (بک سیلر) نے اذان دی تو لوگ جامع مسجد کی طرف آنے لگے لیکن اس مسجد کے سبھی دروازے بند تھے۔

اس رات شہر کے بیشتر علاقوں میں صفِ ماتم بچھ گئی تھی، اکثر گھرانوں نے چولھا تک نہ جلایا تھا رات بھر جامع مسجد کے علاقے کے لوگ گھروں میں بیدار رہے۔

صبح کی نماز کی اذان ہوتے ہی ڈوگرہ فوج نے جامع مسجد کے چاروں طرف گھیرا ڈال دیا، جگہ جگہ مشین گنیں نصب کر دی گئیں۔

اس وقت ان سپاہیوں کی کمان ایک انگریز بریگیڈیر سدرلینڈ کر رہا تھا وہ سپرنٹنڈنٹ پولیس گوپال تھاپا کے ہمراہ یہاں آیا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ کئی سیاسی لیڈروں کے وارنٹ بھی تھے، پولیس آفیسر حکیم حبیب اللہ نے شیخ عبداللہ اور اُن کے دوسرے ساتھیوں کو پوشیدہ رہنے کی اطلاع پہنچا دی تھی، لیکن وہ گرفتاری سے نہیں بچ سکے۔

شیخ صاحب گرفتار کر کے بادامی باغ چھاؤنی کے کوارٹر گارڈ پہنچائے گئے تو اُن سے قبل ہی غلام نبی گلکار اور مولوی عبدالرحیم کو لایا گیا تھا۔

رات کے دوران صوفی محمد اکبر بھی گرفتار کر لیئے گئے تھے۔ لیکن انہیں کہاں لے جا کر بند رکھا گیا تھا، اس کے بارے میں کسی کو معلوم نہ ہو سکا۔ ان کے علاوہ جموں کے نمائندے جو سرینگر میں موجود تھے، ان میں سے چوہدری غلام عباس خان، مستری یعقوب علی اور گوہر رحمان کو بھی گرفتار کر لیا گیا تھا۔ شیخ صاحب کے سوا یہ سب کے سب ۱۳ جولائی کی رات کو ہی گرفتار کر لیے گئے تھے۔ ان اصحاب کی گرفتاری کے بعد غلام احمد عشائی، مولوی یوسف شاہ، سعدالدین شال، نور شاہ نقشبندی، ایم اے صابر، خواجہ غلام محی الدین ٹنکی، عبدالرزاق کنگ، خواجہ سیف الدین گنائی، غلام احمد خان زورہ، محمد خلیل بانڈے، خواجہ امیر الدین، مختار احمد، محمد مقبول وٹالی، محمد یوسف کوہنٹل، عبدالغنی دلنہ، عبدالرحمان طوری، غلام نبی شال، علی محمد (بک سیلر) عبدالعزیز شورہ، حکیم عبدالحئ اور ماسٹر ولی محمد ملک اور دوسرے رہنماؤں نے شہیدوں کی تجہیز و تدفین کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ چنانچہ غور و خوض کے بعد ان کو درگاہ نقشبندیہ کے صحن میں دفن کرنے کا فیصلہ لیا گیا۔ اور اس کی اجازت نواب خسرو جنگ سے لے لی گئی۔

مولوی یوسف شاہ نے فتویٰ دیا کہ ان شہیدوں کو جنگِ اُحد کے شہیدوں کی طرح سُپردِ خاک

کیا جانا چاہیے، اس طرح خانقاہ نقشبندیہ کے صحن پاک کی طرف شہیدوں کو ایک جلوس کی صورت میں لیجایا گیا جلوس میں حاضرین نے ان کے خراجِ عقیدت میں یہ شعر نذرانہ کیے :

آج تو نے اے فلک کیا حشر ساماں کر دیا
اُمّتِ مرحوم کو بے جسم و جاں کر دیا
یہ اچانک حادثہ ظلم و ستم توڑا ہے کیوں
ملک کو ماتم کدہ اور اشکِ ریزاں کر دیا
جن کو پالا خونِ دل سے ہم نے اے چرخِ کہن
خون کے دریا میں تو نے ان کو غلطاں کر دیا
یورشِ ظلم و تعدّی کی نہیں تھی انتہا
تب کے آگے محشرِ اسلام قرباں کر دیا
گلشنِ کشمیر کے رنگین گلوں کو بے گناہ
آج کس بیدرد نے مٹی میں پنہاں کر دیا
مومنوں کی عورتیں بے آبرو کر دی گئیں
دشمنِ اسلام نے برپا یہ طوفاں کر دیا
خونِ مسلم سے ہوئے رنگین گلزارِ ارم
قوم کو نوحہ کناں اور چشم گریاں کر دیا

خونِ ناحق رنگ لائے گا شہیدوں کا ایک دن
حق نے بخشش سے تمہیں تو اہلِ رضواں کر دیا

شہدائے کشمیر کو مزار نقشبندیہ پہنچایا گیا تو یہاں پہلے ہی لوگوں کا ایک اژدھام جمع ہو چکا تھا۔ نعرۂ تکبیر اللہ اکبر، اسلام زندہ باد، شہدائے کشمیر زندہ باد کے نعروں کے درمیان انہیں سپردِ خاک کیا گیا، شہیدوں کو قبروں میں اُتارا جا رہا تھا تو یہ المناک منظر واقعی مستقبل کی نشاندہی کر رہا تھا۔

سارا شہر ماتم کدہ بن گیا تھا لوگ جلوس کی صورت میں گریہ زاری کر رہے تھے۔ عورتیں سینہ کوبی کر رہی تھی، شیعہ طبقہ کے ساتھ وابستہ لوگ مرثیہ خوانی کر رہے تھے۔ ہر طرف اضطراب و انتشار کا عالم تھا۔ سارے شہر میں ایسا دردناک منظر تھا جیسا شہر باشوں کے ہر گھر

سے جنازہ نکلا تھا۔

حکومت کے ایوانوں میں سراسیمگی پھیلی ہوئی تھی، فوج اور پولیس تمام اہم سڑکوں پر گشت کر رہی تھی، زرینہ کدل مہاراج گنج اور بھوری کدل جہاں کئی ہندو دُکانیں اور گھر لوٹ کا شکار ہو گئے تھے پولیس اور ملٹری جوانوں کی جوابی کارروائی سے مسلمان گھرانے روپوشی کے عالم میں تھے۔

لوٹ مار کی ان وارداتوں سے جو فرقہ وارانہ کشیدگی پھیل گئی تھی اس نے بمبھیر صورت اختیار کر لی، ہندوؤں کے علاقوں سے مسلمان جانے سے کترا رہے تھے اور مسلمان علاقوں میں ہندو جانے سے احتراز کرنے لگے۔ کئی علاقوں میں ان فسادات نے شدّت اختیار کر لی اس دوران کئی ہندو اور مسلمان زخمی ہوئے۔

آثار تباہی و بربادی کی نشاندہی کر رہے تھے۔ ایک طرف شہیدوں کا ماتم دوسری طرف قومی لیڈروں کی گرفتاریاں اور اس پر ملٹری اور پولیس کا جور و ظلم بغاوت کا پیش خیمہ بن رہا تھا۔ چاروں طرف اس بغاوت کی چنگاریاں پھیل رہی تھیں۔

ڈوگرہ شاہی کی اس بربریت اس خون ناحق کی گونج جب دُور دُور تک پھیل گئی تو وادی کے قصبہ جات اور دیہات میں لوگ میدانِ جہاد میں کود پڑے۔

حالات آہستہ آہستہ نارمل ہونے لگے تو سیاسی قیدیوں کی رہائی کا سلسلہ شروع ہو گیا ۱۴ر اگست ۱۹۳۱ء کو جولائی کا سانحہ "کشمیر ڈے" کے طور پر منایا گیا۔ اس روز لاہور، سیالکوٹ، امرتسر، پنجاب، دہلی، لکھنو کے ساتھ رنگون میں بھی جلوس نکالے گئے اور جلسے کیے گئے۔

سرینگر میں اس روز خانقاہ نقشبندیہ کے مزار پر عورتوں کا ایک ماتمی جلسہ ہوا۔ اس جلسے سے شیخ محمد عبداللہ، چودھری غلام عباس خان اور مستری یعقوب علی نے خطاب فرمایا۔ اس کے بعد جامع مسجد میں ایک اور جلسہ ہوا۔ شیخ صاحب نے تلاوت قرآن پاک کے بعد شہیدوں کو خراج عقیدت پیش کیا۔ اس جلسے میں شہیدانِ کشمیر کے وارثین خاص طور پر ان کے بچے اور بچیاں لائی گئی تھیں۔ اسٹیج پر لاکر ان وارثین کو عوام سے متعارف کرانے کے دوران شہداء کے خونی کپڑے لہرائے گئے تو تمام مجمع زار و قطار رونے لگا، معصوم بچوں اور شہیدوں کے خونی کپڑے دیکھ کر جب اجتماع کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا تو ایک کہرام سا مچ گیا۔

۲۱ر ستمبر کو شیخ محمد عبداللہ اور ان کے دیگر ساتھیوں کو دوبارہ گرفتار کر لیا گیا تو سارا شہر احتجاج میں اُٹھ کھڑا ہوا، لوگ جوق در جوق جامع مسجد میں جمع ہونے لگے۔ لوگوں کے جمع ہوتے ہی ڈوگرہ فوج

دندناتی ہوئی یہاں آگئی، دیکھتے ہی دیکھتے ملٹری اور پولیس نے مسجد کے چاروں دروازوں پر پہرہ بٹھا دیا اس کے باوجود لوگوں کا ٹانتا بندھا رہا کوئی ۲۵ ہزار مسلمان یہاں جمع ہوگئے۔ لوگوں کے ہجوم پر رسالہ فوج نے گھوڑے دوڑائے تو ایک سرے سے دوسرے سرے تک زبردست کھلبلی مچ گئی اور شور وغوغا بپا ہوگیا۔ مسجد کے اندر لوگ دروازوں کی طرف دوڑنے لگے یکایک فوج نے ڈنڈوں کے ساتھ گولیاں برسائیں، بھاگتا ہوا ہجوم ایک دوسرے پر گرنے لگا، مشرقی دروازے پر خون بہنے لگا تو ایک کہرام مچ گیا، اس معرکہ میں چار آدمی نصیرالدین چنکرال محلہ، رسول جو درگجن، اسد گلکار نرپرستان اور اور علی وانی چھتہ بل شہید ہوئے۔ کوئی ۱۹ آدمی زخمی ہوئے جن میں چند کی حالت تشویشناک تھی۔ اس خونی ڈرامہ کی کمان ٹھاکر کرتار سنگھ گورنر کشمیر کر رہا تھا اور مسٹر سڈلینڈ ایڈوائزر موقع کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس خونریزی کی اطلاع دور دور تک پھیل گئی تو کئی علاقے دنگا فساد کی زد میں آگئے۔ درگجن خانیار سونہ وار، مائیسمہ، امیرا کدل اور سرائے بالا میں مظاہرین پر پولیس نے خوب ڈنڈے برسائے۔ مائیسمہ میں عورتوں اور بچوں نے ایک علیحدہ جلوس نکالا تو رسالہ فوج نے اس جلوس پر گھوڑے دوڑائے جس سے کئی عورتیں اور بچے زخمی ہوگئے۔ بسنت باغ کے جلوس پر ملٹری نے فائرنگ کی جس سے تین آدمی موقع پر ہی ڈھیر ہوگئے۔ تین میں سے صرف ایک کی لاش حاصل کی جاسکی دو لاشیں ملٹری اٹھا کر اپنے ساتھ لے گئی۔ مقتولین کو واپس کرنے کے لیے زوردار مطالبے ہوئے۔ مطالبے زور پکڑنے لگے تو ملٹری اور پولیس کے آفیسر جائے واردات پر آگئے۔

سارے شہر میں ہڑتال ہوگئی، مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلموں نے بھی ہڑتال میں بھرپور حصہ لیا۔ جلسے جلوس اور مظاہرے ہونے لگے۔



سنٹرل جیل سرینگر جہاں پر گولیاں چلائی گئیں۔



۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کے شہدائے کشمیر



۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کو سینٹرل جیل کے دروازے پر شخصی حکومت کی گولیوں کا شکار



بیکسوں کی آہیں مظلوموں کی چیخیں دردناک
ہر طرف سے سن رہے ہیں آج بھی ہم زیرِ خاک



یہ ہماری جاودانی زندگانی کے نشاں
چاند تاروں کی طرح روشن ہیں زیرِ آسماں

طومارِ حکایات سے آئے ہیں میرے ساتھ
جو خونِ شہیداں سے شفق رنگ تھے اوراق

ریاست کے اندرونی واقعات اور بیرونی پریس

وادیٔ کشمیر کے اطراف واکناف میں خونی واقعات کا بیرونی دُنیا میں خوب چرچا ہوا اور ہندوستان سے باہر انگلستان اور افریقہ میں بھی ڈوگرہ راج کے اس جور وستم کے خلاف آواز اُٹھنے لگی اور ہندوستان کے مسلم اور ہندو پریس نے اپنے اپنے نقطۂ نگاہ سے ان خونی واقعات پر تبصرے کیے، جہاں مسلم پریس نے کشمیر کی مسلم آبادی کے خلاف ڈوگرہ شاہی کے سخت ہاتھ کو روکنے اور قتل وغارت سے باز آنے کا مشورہ دیا، وہاں ہندو پریس نے ڈوگرہ حکمرانوں کو مسلمانوں کی شورش پر قابو پانے کے لیے سخت ہاتھ اٹھانے اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آنے کا مشورہ دیا۔ مسلم پریس اور ہندو پریس ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی ایسے اداریئے لکھنے لگے جس سے ان کی ذہانت کا ثبوت آسانی سے فراہم ہوا اس سلسلے میں جو اخبارات پیش پیش رہے ان میں اخبار "انقلاب"، 'مظلوم کشمیر'، اور 'زمیندار' مسلمانوں کی طرف داری کرنے لگے جبکہ "ملاپ" اور 'پرتاپ'، غیر مسلموں کے ساتھ ڈوگرہ حکمرانوں کی پیٹھ تھپتھپانے لگے۔ ملاحظہ ہو:

"ڈوگرہ شاہی کشمیری مظلومین پر جو ظلم وستم ڈھا رہی ہے اس سے مسلمانوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں، ارضِ گیتی کے اس خطے پر رہنے والوں کی بے بسی اور مظلومیت کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتا شاہی خاندان کے افراد اپنے راج محل میں عیش کوشی میں مصروف ہیں اور اُن کی بھولی اور بیمار رعایا بیکاری اور زمانے کے ظالمانہ پنجوں میں مسل کر تڑپ تڑپ کر جان دے رہی ہے۔ وقت آگیا ہے کہ ان بے زبان انسانوں کی، جن کے ساتھ حیوانوں جیسا سلوک کیا جا رہا ہے انہیں ظالم ڈوگروں سے نجات دلائی جائے۔" (زمیندار ۳ جولائی ۱۹۳۱ء)

"کشمیری مسلمانوں کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کن ٹھگوں کے پنجے (مسلم رہنماؤں) میں پھنس گئے ہیں اور کس طرح اپنے مہاراجہ کے خلاف ایک بھاری سازش کے پُرزے بنے ہیں۔ حالات ان کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہیں، کشمیری مسلمانوں کو اب پرائشچت (کفارہ) کے طور پر یہ اعلان کرنا چاہیے کہ وہ کسی قسم کے حقوق کا مطالبہ فی الحال نہیں کرتے، جن حالات میں وہ ہیں اسی حالت میں رہیں۔"

(ملاپ، ۱۴ر اگست ۱۹۳۱ء)

"مسلمانوں کے اکثر مطالبات دیگر ریاستوں کی مانند جائز اور شکایات بجا ہیں، وہاں جہالت عام ہے جگہ جگہ افلاس اور ناداری عام ہے، حصولِ تعلیم اور اقتصادی ترقی کی سہولتیں محدود بلکہ مفقود ہیں۔ کشمیریوں کو سیاسی حقوق حاصل نہیں مسلمانوں کا ایک بڑا مطالبہ یہ ہے کہ انھیں ملازمتوں میں کوئی حصّہ نہیں دیا جاتا، ہندوؤں کا ہر جگہ غلبہ ہے، ایسی شکایات اور ایسے مطالبات میں کسی کو بھی شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔"

(انقلاب، ۱۲ر مارچ ۱۹۳۲ء)

"باغیوں کو ایسی سزائیں دی جائیں جو دوسروں کے لیے تازیانۂ عبرت ہو"

حکومت نے گرفتاریوں کے سلسلے میں اس قدر فراخدلی سے کیوں کام لیا ہے سات ہزار حملہ آوروں میں سے صرف دو سو مسلمانوں کو پکڑا جانا کوئی خاص اثر نہیں کر سکتا، چاہیے تو یہ تھا کہ حکومت ان سات ہزار مسلمانوں کو گرفتار کر لیتی اور ان کے خلاف مقدمہ چلایا جاتا مگر ایسا نہیں کیا گیا جس کا مطلب ہے، ۶۸ سو مسلمان قانون کے ڈنڈے کی زد سے بچ جائیں گے اور مستقبل میں اسی قسم کی جرأت کر سکیں گے۔ ریاست میں مسلمانوں کو ہندوؤں سے زیادہ حقوق حاصل ہیں اس حالت میں مسلمانوں کو بغاوت کے لیے تیار ہو جانا ایک سازش کا نتیجہ ہے ضرورت ہے کہ اس سازش کا قلع قمع کیا جائے اور اس کے جو بیج اس وقت کشمیر میں پھوٹ رہے ہیں انہیں اُکھاڑ باہر پھینکا جائے۔"

("ملاپ"، ۱۷ر جولائی ۱۹۳۱ء)

"کشمیری مسلمانوں پر ڈوگرہ حکومت ظلم ڈھا رہی ہے، ضرورت اس بات کی ہے

کہ اس نازک وقت پر ان کی مدد کی جائے۔"

(انقلاب، ۳۰ر اکتوبر ۱۹۳۱ء)

"کشمیر اس وقت سنکٹ میں ہے اس پر غلاموں نے شورش کر رکھی ہے۔"

(ملاپ، یکم راگست ۱۹۳۱ء)

"ہندوستان کے ہندو اگر ہندو ریاست کو بچانا چاہتے ہیں تو انہیں آرام طلبی کو چھوڑ کر جدوجہد کرنی ہوگی ورنہ بعد میں جمّوں و کشمیر کے ہندوؤں کے لیے آنسو بہانا بے سود ہوگا۔ وقت سے جاگو سنبھلو اور راکھشسوں کے چنگل میں پھنسی ہوئی سلطنت کو بچاؤ۔"

(ملاپ، یکم نومبر ۱۹۳۱ء)

"کشمیری پنڈتوں ڈوگروں اور دوسرے ہندوؤں کو اس وقت مل کر ایک راستہ اختیار کرنا چاہیے اور باہر کے ہندو لیڈروں سے مشورہ کر کے نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ اپنی ریاست کو محفوظ کر لینا چاہیے۔"

(ملاپ، ۴ر نومبر ۱۹۳۱ء)

کٹّر مسلم اور ہندو پریس سے اس قسم کے تبصرے برسوں تک جاری رہے۔ ان تبصروں پر اگر تبصرہ کیا جائے تو صاف پتہ چلے گا جہاں مسلم پریس کشمیری مسلمانوں کو مظلوم سمجھتی تھی وہاں ہندو پریس انہیں غلام جانتا تھا، اور غلام قوم کا اپنے حقوق کے لیے لڑنا وہ نامناسب اور معیوب سمجھتے تھے۔ مسلم پریس کشمیری مسلمانوں کو انسان سمجھ کر انسانیت کے نام پر ان کی مدد کرنے کی اپیل کر رہا تھا۔ اس کے برعکس ہندو پریس انھیں راکھشس سمجھ کر تمام ہندوؤں کو ان راکھشسوں سے ڈوگرہ راج کو بچانے کے لیے اُکسا رہے تھے۔

مسلم کٹّر پریس مسلمان رہنماؤں کو مجاہدین کا درجہ دے کر ان کا حوصلہ بڑھا رہا تھا اور کٹّر ہندو پریس ان رہنماؤں کو ٹھگ سمجھ رہا تھا، اور ان ٹھگوں کے پنجوں سے ڈوگرہ راج کو بچانے کی تدابیر پر زور دے رہے تھے۔

مسلم پریس رہنماؤں کی گرفتاری پر احتجاج کر رہا تھا اور ہندو پریس اس بات پر نالاں تھا کہ سب کے سب مسلمانوں کو قیدی کیوں نہیں بنایا جا رہا ہے۔ ان کو ایسی سزائیں کیوں نہ دی جا رہی ہیں جس سے دوسرے عبرت لیں۔ مسلمانوں نے ڈوگرہ راج کے ظلم و ستم سے

تنگ آکر اپنے حقوق کے لیے جو آواز اُٹھائی تھی وہ ہندوؤں کی نظر میں ایک بڑی غلطی، ایک بڑا قصور اور سب سے بڑا گناہ تھا اور وہ مسلمانوں کو اس کا کفارہ ادا کرنے کے لیے ڈوگرہ حکمرانوں سے معافی مانگنے کا سجھاؤ دے رہے تھے۔

مسلمان روٹی روزی مانگ رہے تھے اور ہندو ان سے کہہ رہے تھے تم جس حالت میں صدیوں سے رہتے آئے ہو اسی حالت میں رہو، یعنی تم جنم جنم کے غلام ہو اور تمہیں ہمیشہ غلام ہی رہنا ہے۔

کٹر مسلمان لیڈر کشمیری مسلمانوں کی حالتِ زار دیکھ کر اعلان کر رہے تھے کہ وقت آگیا ہے کہ ان بے زبان انسانوں جن کے ساتھ حیوانوں جیسا سلوک کیا جا رہا ہے انہیں ظالم حکمرانوں سے نجات دلائی جائے۔

اس کے برعکس کٹر ہندو برملا کہہ رہے تھے، ڈوگرہ حکمراں اس وقت سنکٹ یعنی مشکلات میں گھری ہوئی ہے اس پر غلاموں نے شورش کر رکھی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ ریاست سے باہر کے ہندو کشمیری مسلمانوں کو انسان نہیں بلکہ حیوان سمجھ رہے تھے وہ یہاں کے مسلمانوں کو پشتینی غلام سمجھ رہے تھے ان کی نظروں میں ریاست کے مسلمان راکھشس تھے۔ وہ ہندوستان بھر کے ہندوؤں کے ساتھ ساتھ کشمیری پنڈتوں اور جموّں کے ڈوگروں کو انتباہ کر رہے تھے کہ وہ بیدار ہو کر اُٹھ جائیں اور ان غلاموں، حیوانوں اور راکھشسوں سے ڈوگرہ حکمران کو بچالیں کیوں کہ انھوں نے اس حکومت کے خلاف شورش بپا کر رکھی ہے۔

بیرونِ ریاست کے کٹر ہندو ریاست جموں وکشمیر میں بسنے والے پُشتنی مسلمانوں کو بالکل غیر سمجھتے تھے۔ ان کا نظریہ تھا کشمیر، کشمیر میں بسنے والے مسلمانوں کی نہیں بلکہ ہماری جاگیر ہے جبھی تو وہ برملا کہہ رہے تھے:

"کشمیری پنڈتوں ڈوگروں اور دوسرے ہندوؤں کو اس وقت مل کر ایک راستہ اختیار کرنا چاہیے اور باہر کے ہندو لیڈروں سے مشورہ کر کے نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ اپنی ریاست کو محفوظ کر لینا چاہیئے۔"

بعض کٹر ہندوؤں کی اس ذہانت اور ان کے خیالات و نظریات کو ایک طرف رکھ کر دیکھا جائے تو ہندوستان بھر کے ہندوؤں کے نام جو اپیل کی گئی ——— اس اپیل کا خاطر خواہ نتیجہ ضرور برآمد ہوا۔ آج اس حقیقت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ انھوں نے جو کچھ بھی کہا وہ کر کے دکھایا، انھوں نے کشمیری مسلمانوں کو جو سمجھ رکھا تھا اس سے بڑھ کر اور کوئی رتبہ

نہیں دیا۔ انھوں نے کشمیری مسلمانوں کو غلام کہا تو کبھی اس دائرے سے ان کو نکلنے بھی نہیں دیا، انھوں نے اس ریاست کو یہاں کے باشندوں کے بجائے اپنی ریاست سمجھا تو اس پر بھی مہرِ تصدیق ثبت کر دی۔

انھوں نے کشمیر کے مسلم رہنماؤں کو ٹھگ سمجھا تو اس کو بھی حقیقت کے روپ میں دُنیا کے سامنے پیش کیا۔

انھوں نے یہاں کے مسلمانوں اور ان کے رہنماؤں کو راکھشس کہا تو اس کو بھی سچ ثابت کر کے دکھایا، تاریخ گواہ ہے کہ یہاں کے لوگوں نے اپنے لیڈروں کے ساتھ جو طور طریقہ اپنایا اور ان لیڈروں نے عوام کے ساتھ جو برتاؤ کیا ایسا تو راکھشس ہی کر سکتے ہیں اور کوئی نہیں۔

ریاست میں مسلمانوں کی طرف سے تحریک حریّت کا آغاز ہوا تو اس تحریک کے ساتھ بیرونِ ریاست کے مسلمانوں اور ہندوؤں نے خود کو وابستہ کیا۔ بیرونِ ریاست کے مسلمانوں اور ہندوؤں کے لیڈر تحریک حریت کشمیر پر جن خیالات کا اظہار کر رہے تھے، ان کی اطّلاعات یہاں کے مسلم رہنماؤں کو اخبارات کے ذریعے برابر مل رہی تھیں۔ ان اطلاعات سے یہ رہنما سیاہ اور سفید، سچ اور جھوٹ، کھرا اور کھوٹے کی پہچان کر کے اپنی منزل کا لائحہ عمل متعین کر سکتے تھے، وہ اپنے عمل سے ثابت کر کے دے سکتے تھے کہ نہ ہم ٹھگ ہیں اور نہ ہی راکھشس ہیں، وہ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ کشمیر کشمیریوں کا ہے تمہارا نہیں وہ برملا اس کا اظہار بھی کر سکتے تھے کہ ہم غلام ضرور تھے لیکن اب غلام نہیں رہیں گے۔

مگر ہوا اس کے برعکس۔

تاریخ گواہ ہے کہ ہم ٹھگ بھی بنے اور راکھشس بھی رہے ہم غلام تھے اور غلام ہی رہے ہاں اتنا ضرور ہوا کہ ہمیں ڈوگرہ حکمرانوں نے غلامی کی جو زنجیر پہنا دی تھی وہ زنجیر بدل دی گئی اور اس نئی غلامی کی زنجیر پر آزادی نام کا لیبل چپکا دیا گیا۔

اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ کبھی تحریک کی بارش سے ہم بھیگ جاتے ہیں تو گوند سے چپکا ہوا یہ لیبل اتر جاتا ہے، پھر دوسرا لیبل لگا دیا جاتا ہے۔ جب یہ بھی اتر جاتا ہے تو پھر نیا لگا دیا جاتا ہے۔

یہ سلسلہ تب سے اب تک برابر جاری ہے۔



دوگرہ پولیس

(ON CHAIR LEFT-H.RITE) (1) MR. SAROP ANAND AS.P (2) MR. SHALAL (3) WAZIR MOHAMMAD KHAN S.P. (4) E.G.B. PEEL ESQR I.GPOLICE (5) W.H. ARCHBOLD ESQR.I.P. (7) HAKIM HABIBULLAH. A.S.P. (BEHIND) INSPECTORS, SUBINSPECTORS

پابندِ سلاسل ہی سہی صاحبِ زنداں
ہے میری نظر تیز ابھی قلب و جگر چاک!

رہنمایانِ قوم کی گرفتاری اور اُس کی حشر سامانی

شہیدوں کو خراجِ عقیدت ادا کرنے کے لیے نواب بازار میں لوگ جمع ہو گئے۔ کسی نے فوجی ٹولی پر پتھر مارا۔ سپاہی مشتعل ہو گئے اور اجتماع پر ٹوٹ پڑے۔ گولی چلتے ہی پانچ آدمی موقع پر ڈھیر ہو گئے۔ کئی لوگ زخمی ہوئے اسی دوران شہر میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کیے جانے کا اعلان کیا گیا۔ لوگوں کو منتشر کرنے کے لیے رسالہ فوج نے شہر میں پکٹنگ شروع کی، اس پکٹنگ سے خوف و ہراس پھیل گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے تمام اسکول و کالج حتیٰ کہ پوسٹ آفس بھی بند ہو گئے۔

وچار ناگ کے پاس لوگوں نے پولیس کے ساتھ دو بدو لڑائی کی، چند سپاہیوں سے بندوقیں چھین لی گئیں، سپاہیوں سے بندوقیں چھین لینا حکومت سے اقتدار چھین لینے کے برابر تھا چنانچہ گھر گھر کی تلاشی میں قہر کا سماں بندھ گیا۔ حسّاس علاقے کرفیو کی زد میں لے لیے گئے۔ جہاں لوگوں کو کھڑکیوں سے بھی جھانکنے کی اجازت نہ تھی، شہر کے ساتھ ساتھ کئی دیہات اور قصبہ جات بھی ان حالات سے دوچار تھے۔ قصبات اور دیہات سے شہر آنا یا شہر سے ان علاقوں میں جانا ایک مشکل مسئلہ بن گیا۔ شہر اور دیہات میں کئی روز تک ہڑتال رہی۔

ہڑتال کھولنے کے لیے حکومت کے تمام حربے ناکام بنا دیئے گئے، حکومت کی طرف سے زبردستی دُکانیں کھولنے کی دھمکی بھی کام نہ آ سکی۔

۱۳ جولائی سے ۲۶ جولائی تک سرینگر سے راولپنڈی اور سرینگر سے جموں کا ٹریفک بالکل معطل رہا۔ حکومت نے فسادات سے نمٹنے میں اگرچہ طاقت کا بھرپور استعمال کیا لیکن اسے کامیابی نہ مل سکی، سب سے زیادہ خطرناک صورت حال جو ہندو مسلم فسادات کی وجہ سے پیدا ہو گئی تھی اس نے حکومت کو لرزہ براندام کر دیا۔ کیونکہ دونوں فرقے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے لگ رہے تھے۔

جہاں مسلمانوں کو اپنی اکثریت کا زعم تھا وہاں غیر مسلموں کو اپنی حکومت کا گھمنڈ تھا۔ حکومت نے فسادات سے پیدا شدہ صورت حال کا جائزہ لے کر اس کا سدباب کرنے کے لیے ایک کمیشن مقرر کیا جس کے لیے تین سرکاری ججوں کے ساتھ دو غیر سرکاری ممبر بھی نامزد کیے گئے۔ مسلم ممبران میں سے مولوی عبداللہ وکیل کو نامزد کیا گیا انھوں نے ممبر بننے سے انکار کیا، اس کے بعد غلام احمد عشائی اور سعداللہ شال نامزد کیے گئے لیکن انھوں نے بھی تحقیقاتی کمیٹی میں شامل ہونے سے صاف انکار کیا، انھوں نے سیاسی قیدیوں کی رہائی تک حکومت کو کسی بھی قسم کا تعاون دینے کے بجائے حکومت کے خلاف منظم جدوجہد کرنے کا اعلان کر دیا۔

حکومت روز بروز کے مظاہروں ہڑتالوں اور جلسے جلوس سے تنگ آگئی تو زبردستی دوکانیں کھولنے، گاڑیاں چلانے اور کاروبار کو بحال کرنے کا فیصلہ کر کے احکامات جاری کیے گئے لیکن لوگوں نے مزاحمت جاری رکھی، اس کی پاداش میں کئی جگہوں پر تصادم ہوئے لاٹھی چارج ہوا لیکن ہڑتالیں نہ کھلنی تھیں نہ کھلیں۔

مردوں کے ساتھ ساتھ عورتیں اور بچے بھی جلوس نکال کر سیاسی قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ کر رہے تھے، حکومت کو شہ مل گئی کہ لوگ ہجوم کی صورت میں جیلوں پر یلغار کر کے سیاسی قیدیوں کو چھڑا لائیں گے چنانچہ پیش بندی کے طور پر ان قیدیوں کو بادامی باغ چھاؤنی سے نکال کر قلعہ ہاری پربت لے جا کر قید کر دیا گیا۔

ان قیدیوں کو رات کی تاریکی میں قلعہ ہاری پربت پہنچایا گیا تو یہاں کا ماحول دیکھ کر لگا شاید انھیں یہاں جان سے مارنے کے لیے لایا گیا۔ تنگ و تاریک کوٹھری میں جانے کے لیے شیخ صاحب سے کہا گیا تو وہ ہچکچائے ان کی ٹانگیں لرزنے لگیں اس موقع پر غلام نبی گلکار نے آگے بڑھ کر فرمایا۔

"پہلے میں جاؤں گا اگر مرنا ہی ہے تو پہلے میں جام شہادت نوش کروں گا"

غلام نبی گلکار اندر تاریک کوٹھری میں گھس گئے تو شیخ عبداللہ کو ان کے پیچھے پیچھے آنے میں کوئی چارہ نہ لگا۔

اس قید تنہائی میں غلام نبی گلکار، سردار گوہر رحمان، مستری یعقوب علی، چودھری غلام عباس خاں، مولوی عبدالرحیم کو رکھا گیا۔

مسلم قائدین کی گرفتاری کا دور دور تک چرچا ہوا تو انڈین نیشنل کانگریس نے مولانا ابوالکلام آزاد اور کرنل ہکسر کو سرینگر روانہ کیا تاکہ وہ ان قومی لیڈروں کی رہائی کا انتظام کر سکیں، اس

دوران بیرونی ہندو پریس کی شدید مخالفت اور مسٹر پی، کے وائل کی چغلی کے کارن مسٹر ویکفیلڈ سے مہاراجہ ہری سنگھ نے استعفیٰ طلب کیا تھا اور ان کی جگہ راجہ ہری کرشن کول کو وزیر اعظم مقرر کیا گیا تھا۔

مولانا آزاد اور مسٹر ہکسر دہلی سے سرینگر تشریف لائے تو وزیر اعظم کے ساتھ ملاقات کے دوران مسلم رہنماؤں کی رہائی کا مسئلہ زیر بحث آیا وزیر اعظم نے ان دونوں کانگریسی لیڈروں کے سامنے واضح کر دیا کہ اگر یہ لوگ اپنی حرکات سے باز آنے کا وعدہ کریں گے تو ان کو رہا کیا جا سکتا ہے ورنہ نہیں۔

مولانا آزاد اور کرنل ہکسر انہیں بلا شرط رہا کرانا چاہتے تھے لیکن اس پر وزیر اعظم راضی نہ ہوئے ان ایام کے بعض اخبارات اور دستاویزات کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے، شیخ محمد عبداللہ نے وزیر اعظم کو دو ٹوک جواب دیا کہ ہم نے کوئی غیر قانونی کام نہیں کیا اور ہم آئندہ بھی تقریریں کرنے سے گریز نہیں کریں گے لہٰذا حکومت کی مرضی ہے کہ وہ ہمیں رہا کرے یا قید میں رکھے، خود شیخ عبداللہ نے بھی کئی بار اس کا تذکرہ کرتے ہوئے واضح کر دیا ہے کہ ہم نے حکومت کا مطالبہ نامنظور کیا، جو کہ حقیقت سے بعید ہے۔

اصل میں وزیر اعظم کی شرائط رہائی سخت تھیں جن کا ماننا ان لیڈروں کی سیاسی خودکشی کے مترادف تھا، چنانچہ مولانا آزاد اور مسٹر ہکسر کی مداخلت سے شرائط نرم کر دی گئیں اور سیاسی قیدیوں کی طرف سے معافی نامہ مرتب کیا گیا۔

۱۵ راگست کو ان لیڈران قوم کو رہا کیا گیا تو شرائط اور پابندیوں سے بھرپور ایک سمجھوتہ حکومت کے ساتھ کیا گیا۔ سمجھوتہ کی دفعات حسب ذیل ہیں:۔

(۱) جو ایجی ٹیشن آج تک جاری تھی بالکل بند کر دی جائے گی، یعنی مساجد یا کسی مذہبی مقام پر عام جلسہ میں ایسی تقریر نہ کی جائے گی جس سے حکومت یا مہاراجہ بہادر کی رعایا کے کسی فرقہ کے خلاف جذبۂ نفرت پھیل جائے۔

(۲) جامع مسجد اور دیگر مساجد اور زیارتوں کے اندر یہ اعلان کیا جائے گا کہ ریاست کشمیر کی مسلم رعایا بیرونی عنصر سے اپنے کاموں کے متعلق اثر پذیر نہیں ہوگی اور وہ وفاداری میں اپنے حکمران ہز ہائینس کے لیے ثابت قدم ہے جس سے وہ اپنے جائز مطالبات پر ہمدردانہ غور کرنے کی پوری توقع رکھتی ہے۔

(۳) مسلم فرقہ کے ساتھ ہمدردی رکھنے والوں سے اپیل کی جائے گی کہ جب تک ان مطالبات کا جو وہ پیش کرنے والے ہیں فیصلہ نہیں ہوتا کوئی ایسی کارروائی نہ کی جائے جو اس پُرامن فضا کو خراب کرے جو مطالبات پر غور کرنے کے لیے ضروری ہے۔

(۴) اس سمجھوتہ سے عام قانون میں جو اس وقت تک نافذ ہے کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔

(۵) اس سمجھوتے کے لیے ہم وزیر اعظم کی دریا دلی کی قدر کرتے ہیں جو انھوں نے ہماری معروضات سننے میں دکھائی ہے۔ ہم ان کی ہمدردی کے مشکور ہیں۔"

اس سمجھوتے پر جموں وکشمیر کے گیارہ نمائندگان کے دستخط ہوئے۔ صاف ظاہر ہے جو قید تنہائی میں وزیر اعظم ہری کرشن کول کو دو ٹوک جواب دینے اور اُن کی گیدڑ بھبکیوں سے نہ ڈرنے کا بڑی ڈھٹائی سے تذکرہ کریں اور "آتشِ چنار" میں بڑے فخر سے تحریر کریں کہ ہم نے وزیر اعظم راجہ ہری کرشن کول کی بولتی بند کر کے ان کے سامنے تحریک زندہ رکھنے کے لیے اپنی طرف سے قربانیاں دینے کا اعلان کیا وہ اس قسم کا سمجھوتہ ہرگز نہیں کر سکتے اگر دیکھا جائے تو یہ سمجھوتہ بھی نہیں بلکہ ڈوگرہ حکمرانوں کے سامنے سجدۂ سہو ہے۔ یہ ایک ایسا معافی نامہ ہے جس میں کان پکڑی کا عکس صاف دکھائی دیتا ہے۔

اس معافی نامہ کے مشتہر ہوتے ہی جب مسلم رہنماؤں کو عوام کی طرف سے پھٹکار پڑ گئی۔ تو انھوں نے حکومت کے خلاف پھر بولنا شروع کیا چنانچہ وزیر اعظم راجہ ہری کرشن کول کی طرف سے ۲۱ ستمبر کو شیخ عبداللہ کے نام وارنٹ گرفتاری جاری ہوا۔ اس گرفتاری سے لوگوں میں غم وغصہ پیدا ہوا، لوگ جوق در جوق جامع مسجد میں جمع ہوئے اور یہاں سے جلوس کی صورت میں نکل کھڑے ہوئے۔ پولیس نے انھیں روکنے کے لیے لاٹھی چارج کیا، جب ہجوم لاٹھی چارج سے مشتعل ہوا تو ان پر گولیاں چلائی گئیں، تین آدمی موقع پر ہی ہلاک ہوگئے اور ایک درجن کے قریب زخمی ہوئے۔

اس خونِ ناحق کی اطلاع دور دور تک پھیل گئی، مائسمہ میں لوگ سڑکوں پہ نکل آئے مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں نے بھی مظاہرہ کیا۔ یہاں بھی لوگوں کو منتشر کرنے کے لیے گولی چلائی گئی دو آدمی موقع پر ہی مر گئے اور دو عورتوں سمیت کئی لوگ زخمی ہو گئے۔ اگلے روز ۲۲ ستمبر کو جامع مسجد میں ایک بہت بڑا اجتماع ہوا، یہ لوگ حکومت کے خلاف مظاہرہ کرنے کے لیے جلوس کی صورت میں نکلے، جلوس میں پچھلے دو دنوں کے شہیدوں کے جنازے لے کر حکومت کے خلاف زبردست احتجاج کیا گیا۔ بعد میں شہدا کو مزارِ شہدا پر لے جا کر دفنایا گیا۔

شہدا کو دفنانے کے بعد اجتماع سے مولانا محمد یوسف شاہ نے ڈوگرہ راج کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا۔

محمد امین فاروقی اور مولوی عبدالرحیم نے وار کونسل کا اعلان کیا۔

"ڈوگرہ شاہی کے خلاف اس جہاد کی تعمیل میں ۲۴ ستمبر ۱۹۳۱ء کو مسلمانان سرینگر اور آس پاس کے علاقوں سے لوگ ٹولیوں کی صورت میں کلہاڑیاں، بیلچے، ٹنگرو، اور لاٹھیاں لے کر خانیار کی طرف روانہ ہو گئے۔ بعض لوگوں کے ہاتھوں میں شکاری بندوقیں بھی تھیں۔

شالیمار سے سید میرک شاہ کاشانی گھوڑے پر سوار اور ہاتھ میں ننگی تلوار لے کر جلوس کی قیادت کر رہے تھے۔ بٹہ مالنہ سے خواجہ احمد اللہ قرہ ہزاروں افراد جو ہلکے پھلکے ہتھیاروں سے لیس تھے۔ اِن کی قیادت کرتے ہوئے خانیار کی طرف چل پڑے۔ چند گھنٹوں میں خانیار کے آستانے کے گرد پچاس ہزار افراد جمع ہو گئے۔ ان میں ہانجیوں کی وہ پلٹن بھی تھی۔ جن کے ہاتھوں میں "نارژ" تھے (نارژ پانی میں مچھلیوں کو درندگی سے مارنے کا آلہ ہے) بعد میں اس پلٹن کو نارژ پلٹن کے نام سے یاد کیا گیا۔

یہاں خانیار کے آستانے پر لوگ جوق در جوق آ کر جمع ہو رہے تھے اور اُدھر ایک درجن جیالے جوانوں کو سعدالدین شال کے باغیچے میں سپاہیوں سے رائفلیں چھین لینے کی تربیت دی جا رہی تھی۔

سرکاری عہدیدار مہاراجہ ہرسنگھ اور وزیر اعظم راجہ ہری کرشن کول کو تمام حالات سے باخبر رکھنے میں لگے ہوئے تھے۔ جوشیلے مظاہرین کی تصویریں اُتار کر مہاراجہ کو دکھائی جا رہی تھیں۔ چنانچہ ایک ہنگامی کیبنٹ میٹنگ بلائی گئی اور فیصلہ کیا گیا کہ فوجوں کو واپس بارکوں میں بلایا جائے۔ نواب خسرو جنگ، صاحبزادہ نورالدین، خواجہ سلام شاہ کو بریگیڈیر سدرلینڈ کے ہمراہ مسلم رہنماؤں کے ساتھ بات چیت کے لئے روانہ کیا گیا تاکہ امن کا ماحول پیدا کیا جا سکے۔

ان اصحاب نے مسلم رہنماؤں کو مہاراجہ بہادر کے پاس شکایات پیش کرنے پر آمادہ کیا چنانچہ مولوی محمد یوسف شاہ، سعدالدین شال اور مولوی عبداللہ وکیل مہاراجہ کے پاس پیش ہوئے۔ یہاں دو گھنٹے تک انتظار کرانے کے بعد مہاراجہ ننگے سر ہاتھ میں بھری پستول لئے غضبناک ہو کر حاضر ہوئے اور بڑی بدسلوکی کے ساتھ ان رہنماؤں سے پیش آئے۔

جب یہ نمائندے مشتعل عوام کے سامنے حاضر ہوئے تو انھوں نے اپنی بے عزتی اور مہاراجہ

کی دھمکیوں کے بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ مہاراجہ عوام کی شکایات دور کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اس کے لئے انھیں امن کے ماحول کی ضرورت ہے۔

ایسا سُنکر لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ بعد میں ان اصحاب نے غلط بیانی کا اعتراف کیا تاکہ عوام مشتعل ہوکر تصادم پر اُتر نہ آئیں اور تین سو مسلح فوجوں کے ساتھ مقابلہ آرائی میں لوگ مارے نہ جائیں۔

مُسلم رہنماؤں کو اپنے محل سے بے عزّت کرکے جانے کے ساتھ ہی مہاراجہ کے حکم سے تمام شہر میں فوج پھیلا دی گئی۔ عام شاہراہوں اور چوکوں پر مشین گنیں نصب کی گئیں۔ سڑکوں پر گشت کرنے والی فوج کے ہاتھ میں لال اور پیلے رنگ کے جھنڈے تھے۔

شہر میں ایسی راہوں پر کوئی مسلمان گزرتا اسے جھنڈے کو سلام کرنے اور "مہاراجہ بہادر کی جے" کا نعرہ دینے پر مجبور کیا جاتا۔ جو ایسا نہ کرتا اُسے کوڑے لگائے جاتے اور قید کرلیا جاتا۔ سرینگر میں کوڑے لگانے کے چار سینٹر قائم کئے گئے۔

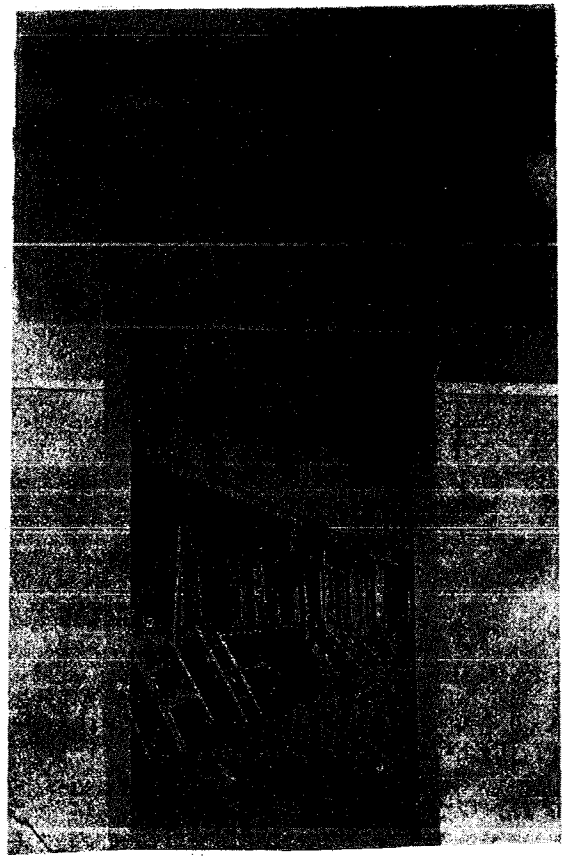
ایک سینٹرل جیل میں، دوسرا مہاراج گنج پولیس اسٹیشن پر تیسرا کوٹھی باغ پولیس اسٹیشن اور چوتھا نمائش گاہ میں لگایا گیا۔

سب سے پہلے کھلے عام جن اشخاص کو کوڑے لگائے گئے ان میں خواجہ غلام محی الدین ہمدانی حاجی محمد سبحان، صدرالدین بژھ (مجاہد) محمد یوسف قریشی اور غلام محمد بانڈے، للّہ خان، مفتی قوام الدین، محمد سکندر خان، عبداللہ لون، حبیب اللہ زرگر، غلام قادر کپرہ، عبدالعزیز نقاش، غلام رسول راتھر، غلام احمد ثیلی، محمد یاسین، غلام مصطفٰے بانڈے، غلام حسن بژھ، غلام نبی وانی اور محمد امین قریشی قابلِ ذکر ہیں۔ اس کے بعد یہ سلسلہ دراز ہوگیا۔



تحریکِ حُرّیّتِ کشمیر کے اولین مجاہد اور اسیرانِ قلعۂ ہاری پربت (۱۴ جولائی ۱۹۳۱ء)
(دائیں سے بائیں) سردار گوہر رحمٰن (جموّں) مستری یعقوب علی (جموں) شیخ محمد عبداللہ،
چودھری غلام عباس خان

(اِستادہ) مولوی عبدالرحیم، خواجہ غلام نبی گلکار۔



اوپر : جولائی ۱۹۳۱ء کے حادثہ کے موقع پر جامع مسجد پر ڈوگرہ سپاہیوں کا گھیراؤ

نیچے : جولائی ۱۹۳۱ء کے حادثہ پر ہڑتال کا ایک منظر

گلشنِ کشمیر کے رنگیں گلوں کو بے گناہ
آج کس بے درد نے مٹی میں پنہاں کر دیا

سرینگر میں مارشل لاء کا نفاذ

بیرونِ شہر فسادات

سرینگر میں شورش کو دبانے کے لئے مارشل لاء نافذ کیا گیا۔ برما آرڈی نینس آف ۱۸۱۸ء کے مطابق نوٹیفکیشن ۱۹' ایل کا نفاذ عمل میں لایا گیا۔ ملٹری اور پولیس کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ کسی اطلاع یا وارنٹ کے بغیر کسی بھی ایسے شخص کو گرفتار کر سکتے ہیں جو امن میں خلل پیدا کرتا ہو۔ گورنمنٹ کو یہ اختیار حاصل ہو گیا۔ وہ کسی بھی عمارت یا زمین کو اپنی تحویل میں لے سکتی ہے۔ کسی بھی قسم کی شورش کرنے والوں کے لئے کڑی سے کڑی سزا دینے کا اختیار حاصل کر لیا گیا۔ اس آرڈر کے نافذ ہوتے ہی بے شمار لوگوں کو گرفتار کیا گیا۔ مارشل لاء کے نفاذ سے شہر سرینگر میں دہشت پھیل گئی لیکن قصبہ جات اور دیہات میں ایجی ٹیشن برابر جاری رہی۔

قصبہ اسلام آباد میں ہڑتال کھولنے کے لئے پولیس اور ملٹری نے بڑی زور زبردستی کی لیکن اس میں اُسے ناکامی ہوئی۔ مظاہرین پر قابو پانے کیلئے لاٹھی سے کام نہ چلا تو روکناتھ مٹو کے حکم سے گولی چلانے کا حکم دیا گیا۔ آڈر پاتے ہی ملٹری نے فائرنگ شروع کی اور ۲۵' آدمی دیکھتے ہی دیکھتے ڈھیر ہو گئے۔ ان میں سے تین آدمیوں کی شناخت نہ ہو سکی۔

۲۳ ستمبر کو شوپیان میں ایک مسلمان فقیر کو نعرے لگانے کی پاداش میں گرفتار کر لیا گیا۔ ۲۶ ستمبر کو جمعہ کے روز جامع مسجد کے احاطے میں اس فقیر کی رہائی کے لئے احتجاجی جلسہ ہوا، نماز کے بعد لوگ جلوس کی صورت میں سڑکوں پر نکل آئے۔ پولیس نے ان پر ڈنڈے برسائے۔ جب اس سے ہجوم منتشر نہ ہوا تو گولیاں چلائی گئیں۔ فائرنگ سے چند افراد ہلاک ہوئے اور دیگر کئی زخمی ہوئے۔ اجتماع منتشر ہوا لیکن کچھ دیر بعد لوگ جمع ہو کر پھر مظاہرہ کرنے لگے اور ان مظاہرین نے تھانے پر حملہ کیا۔ پکڑ دھکڑ میں ایک سپاہی پاؤں تلے روندا گیا کہ

وہ دم توڑ گیا۔ سپاہی کو اس طرح بے رحمی سے مارنے کے لئے لوگوں کی گرفتاری شروع ہو گئی۔ لوگوں کو پکڑ پکڑ کر قاتلوں کی شناخت کرائی گئی۔ جب اس طرح مقصد پورا نہ ہوا تو لوگوں کو گھروں سے گھسیٹتے ہوئے نکالا گیا۔ گھروں میں گھس کر سپاہیوں نے نہ صرف قیمتی اثاثہ لوٹا بلکہ کئی عورتوں کی بے حرمتی کی گئی۔ کئی جوان لڑکیوں کی عصمت بھی لوٹی گئی۔

شوپیان کی آگ پلوامہ پہنچ گئی تو یہاں بھی ملٹری اور پولیس کے ساتھ لوگوں کی دو بدو لڑائی ہوئی۔ مظاہرین پر لاٹھیوں کا بے دریغ استعمال ہوا۔ اس کے بعد گولیوں سے کئی لوگوں کو بھون ڈالا گیا۔ پلوامہ میں لوگوں کے ہجوم نے بہت سارے سپاہیوں کو پتھراؤ سے لہولہان کر دیا۔ اس کی پاداش میں اس علاقہ میں گرفتار شدہ افراد کے ساتھ تھانوں میں وحشیانہ سلوک کیا گیا۔ پلوامہ میں بھی کئی عورتوں کی بے حرمتی کی گئی۔

پلوامہ میں کشیدگی کئی دنوں تک جاری رہی۔

بجبہاڑہ میں فسادات کی نوعیت اگرچہ زیادہ نہیں رہی لیکن یہاں کے لوگوں نے ڈوگرہ فوج کے ساتھ ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

بارہمولہ میں پولیس اور عوام کے درمیان باضابطہ لڑائی ہوئی۔ یہاں ہجوم پر قابو پانے کے لئے پولیس نے بے تحاشا لاٹھی چارج کیا لیکن جب حالات قابو سے باہر ہو گئے تو سپاہیوں نے گولیاں چلائیں، تین آدمی موقع پر ہی ہلاک ہوئے۔

ایک جوان خوبرو عورت فریشری بیوہ رزاق پہرو جو یہاں زنانہ تحریک کی سرکردہ رہنما تھیں۔ اس نے پولیس انسپکٹر کے منہ پر نزدیک سے کانگڑی دے ماری۔ جس سے نہ صرف اُس کا چہرہ زخمی ہوا بلکہ آگ سے جھلس بھی گیا۔ انسپکٹر نے اپنے ہی پستول سے گولی چلا کر فریشری کو ہمیشہ کی نیند سلا دیا۔

بارہمولہ کی یہ آگ سوپور پہنچ گئی تو لوگ چوک میں جمع ہو گئے اور حکومت کے خلاف مظاہرہ کرنے لگے۔ لوگوں کا ہجوم مظاہرہ کرتا ہوا جلوس کی صورت میں نکل پڑا تو ڈوگرہ فوج نے ان کا راستہ روک دیا۔ مشتعل ہجوم نے سپاہیوں پر پتھراؤ کیا۔ اس کے جواب میں سپاہیوں نے اندھا دھند گولیاں چلائیں، موقع پر ہی پانچ آدمی ہلاک ہوئے اور زخمیوں کی تعداد ۱۵ تک پہنچ گئی۔

سوپور سے نکل کر یہ خونی آندھی ہندوارہ جا پہنچی۔ یہاں بھی لوگوں نے سپاہیوں

پر پتھراؤ کیا اور بدلے میں گولیاں کھائیں، ہندوارہ کے متصل علاقے بھی فسادات کے دوران خونی واقعات کے شکار ہو گئے۔

فسادات کی یہ آگ کم و بیش ساری وادی میں پھیل گئی۔ ان فسادات میں بے شمار لوگ مارے گئے اور ان گنت لوگ زخمی کر دئے گئے۔ ہزاروں روپے کا مال و جائیداد لوٹ لیا گیا اور ضائع کر دیا گیا۔ درجنوں عورتوں کی بے حرمتی کی گئی اور کتنی ہی کنواری لڑکیوں کی عصمت داغدار کی گئی۔ جیلوں اور زندانوں میں بھرنے والوں کی تعداد تو ہزاروں تک جا پہنچی۔

۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء سے وادی کشمیر میں لوگوں نے جامِ شہادت نوش کرنا شروع کیا جو ڈوگرہ شاہی کے خاتمہ تک برابر جاری رہا۔ ان جامِ شہادت نوش کرنے والوں کی صحیح تعداد معلوم کرنا قدرے دشوار مرحلہ ہے۔ اپنے پرانے ریکارڈ کے ساتھ ساتھ شہدائے کشمیر کا نام و پتہ دریافت کرنے میں مجھے گلینسی کمیشن کی رپورٹ، محمد یوسف صراف کی کتاب "فریڈم موومنٹ اِن کشمیر"، عبدالصمد وانی کے اخبار "کشیر" اور "تحریک حریت کشمیر"، مصنف رشید تاثیر نے جو میری رہنمائی کی اس کی بدولت میں بیشتر شہدائے کشمیر کے نام و پتہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکا۔ مجھے یہ کہنے میں ہرگز کوئی عار نہیں کہ اسلام آباد، پلوامہ، بارہمولہ، سوپور، ہندوارہ میں کئی ایسے لوگ بھی شہیدوں میں شامل ہو گئے جن کا کردار غدار تھا۔ جو لوٹ مار کے دوران گولیوں کے نشانہ بن گئے اور شہیدوں میں شامل ہو گئے۔ بہرحال جو نام ہمیں دستیاب ہوئے حسب ذیل ہیں:۔

نام	ولدیت	عمر	سکونت
غلام محمد حلوائی	رحمان حلوائی	۳۲ سال	ملک صاحب
عبدالخالق شورہ	سلام شورہ	۵۰ "	انڈیمر خانیار
محمد اکبر	فقیر محمد	۴۸ "	زالٹرگر
امیر جو جندہ گرو	صمد جو جندہ گرو	۳۶ "	گوجوارہ
غلام نبی کلوال	عبداللہ کلوال	۳۰ "	نوہٹہ
غلام محمد صوفی	رزاق صوفی	۲۱ "	خانیار
غلام قادر خان	عبداللہ خان	۲۶ "	بہاولدین صاحب
غلام احمد نقاش	سلطان نقاش	۳۲ "	کادی کدل

نام	ولدیت	عمر	سکونت
۹۔ نصیرالدین خان	عبدالصمد خان	۲۲ سال	چنکرال محلہ
۱۰۔ غلام احمد بٹ	قادر بٹ	۳۰ ″	جامع مسجد
۱۱۔ محمد رمضان چولہ	رحمان چولہ	۳۶ ″	خانیار
۱۲۔ محمد عثمان مسگر	خانہ داماد صدیق لون	۳۰ ″	نالہ بل
۱۳۔ غلام رسول دوار	علی دوار	۲۸ ″	نرپرستان
۱۵۔ فقیر علی	نصیرالدین	۳۴ ″	کرایہ دار بٹہ مالنہ
۱۶۔ امیرالدین مسکائی	رسول جو مسکائی	۳۵ ″	نواکدل
۱۷۔ محمد شعبان مسکائی	رحمان مسکائی	۶۰ ″	نواکدل
۱۸۔ احمد راتھر	سبحان راتھر	۳۰ ″	نوشہرہ
۱۹۔ احمد ڈار	اکبر ڈار	۳۰ ″	نوشہرہ
۲۰۔ غلام رسول لگرو	عمہ لگرو	۲۸ ″	چنار باغ
۲۱۔ محمد عبداللہ آہنگر	کریم جو آہنگر	۴۰ ″	محلہ پکھری
۲۲۔ احد بٹ	قادر بٹ	۳۰ ″	گاؤکدل
۲۳۔ غلام محمد تیلی	رسول جو تیلی	۴۵ ″	اونتہ بھون
۲۴۔ غلام محمد کالباف	—	۳۶ ″	فتح کدل
۲۵۔ محمد اکبر	عبدالغنی	۳۳ ″	کرایہ دار مائیمہ
۲۶۔ سبحان خان	علی خان	۳۲	نواب بازار
۲۷۔ عبدالخالق	نامعلوم	۳۰ ″	وانتل کدل
۲۸۔ عبدالقادر	عبدالسلام	۲۶ ″	مہمان عالی کدل
۲۹۔ غلام رسول درزی	غفار درزی	۲۶ ″	امداکدل
۳۰۔ جانہ بیگم	بیوہ علی لون	۳۵ ″	نوشہرہ
۳۱۔ صمد بٹ	امیر بٹ	۵۰ ″	نامعلوم
۳۲۔ رمضان بٹ	صمد بٹ	۳۵ ″	گنڈا ہلمر
۳۳۔ عبدالکبیر شیخ	محمد شیخ	۳۵ ″	آبی گزر

نام	ولدیت	عمر	سکونت
۳۴۔ محمد اسماعیل سنجار	عبدالصمد سنجار	۲۰ سال	مخدوم صاحب
۳۵۔ نبر خان	امیر خان	۳۲ ″	عید گاہ
۳۶۔ ولی وانی	علی وانی	۵۰ ″	بٹہ پورہ
۳۷۔ محمد ڈار	ریشی ڈار	۶۲ ″	بٹہ پورہ

بٹہ پورہ کے یہ دونوں آدمی سنٹرل جیل میں قید کی سزا کاٹ رہے تھے کہ انھیں بارک میں آگ لگانے کے الزام میں گولی کا شکار بنایا گیا۔

سرینگر سنٹرل جیل کے علاوہ جو شہداء سرینگر کے مختلف مقامات پر جام شہادت نوش فرما چکے ان شہیدوں کے ساتھ جو لوگ شدید زخمی ہوئے اور ہسپتال میں زیر علاج رہے۔ اگرچہ شہیدوں کے بعد ان کا دوسرا درجہ ہے مگر کشمیر کی تحریک حریت مرتب کرنے والوں نے انھیں یکسر نظر انداز کیا ہے۔

سرینگر میں خون آشام کے دوران شدید زخمیوں کی فہرست اگرچہ بہت لمبی ہے لیکن یہاں اُن کے نام دیئے جاتے ہیں جو کسی حد تک ناکارہ ہو گئے تھے:۔

نام	ولدیت	عمر	سکونت
۱۔ احد بٹ	قادر بٹ	۳۳ سال	فتح کدل
۲۔ محمد اکبر	فقیر محمد	۲۱ ″	نواب بازار
۳۔ احد میر	محمد میر	۳۳ ″	گوجوارہ
۴۔ ولی وانی	غنی وانی	۴۰ ″	بٹہ پورہ
۵۔ سبحان مکائی	علی مکائی	۳۵ ″	متصل جامع مسجد
۶۔ خالق شورہ	صمد شورہ	۳۲ ″	سونہ مسجد
۷۔ غلام نبی کوتوال	نامعلوم	۳۰ ″	وزیر باغ

۱۳ر جولائی کو سنٹرل جیل سے باہر گولی چلنے کے بعد پولیس کوارٹر پر حملہ کیا گیا اور ایک بارک کو نذرِ آتش کیا گیا۔ اس بارک کو نذر آتش کرنے اور شہیدوں کے لئے پولیس کوارٹر سے ہتھیار پائیاں نکال کر جان پر کھیلنے والوں کے نام دریافت تو ہو سکے لیکن ان کی ولدیت اور سکونت کا پتہ نہ چل سکا۔

(۱) احد موچی (۲) صادق گورو (۳) رمضان ڈوم (۴) شعبان وگے (۵) رمضان گنائی
(۶) سبحان لون (۷) قادر لیلا۔

سرینگر سے باہر قصبہ جات اور دیہات میں جام شہادت نوش کرنے والے جیالے مردوں کا نام و پتہ حسبِ ذیل ہے :۔

نام	ولدیت	عمر	سکونت
۱۔ رزاق آہنگر	رحیم آہنگر	۵۵ سال	حضرت بل اسلام آباد
۲۔ غلام احمد ملک	حبیب ملک	۵۰ ″	قاضی محلہ ″
۳۔ غنی کاوہ	رحمان کاوہ	۳۵ ″	گاہ رنگ ″
۴۔ غنی درزی	رحمان درزی	۳۵ ″	سرنل ″
۵۔ رحمان ملک	محمد ملک	۶۰ ″	گاڑی بازار ″
۶۔ محمد مقبول شاہ	ولی محمد شاہ	۴۰ ″	قاضی محلہ ″
۷۔ عزیز صوفی (دوازہ)	صدیق صوفی (دوازہ)	۵۰ ″	ملک ناگ ″
۸۔ کبیر شاہ	غنی شاہ	۵۵ ″	محلہ تکیہ شاہ ″
۹۔ حبیب وانی	عبدالصمد وانی	۳۲ ″	گوگجی ناگ ″
۱۰۔ غنی شاہ	حسن شاہ	۴۰ ″	درگا پور ″
۱۱۔ محمد پوش	عزیز پوش	۲۲ ″	قاضی محلہ ″
۱۲۔ غلام حسین ملک	غلام احمد ملک	۱۴ ″	قاضی محلہ ″
۱۳۔ غلام احمد زیو	لسہ زیو	۳۶ ″	محلہ شاہ صاحب ″
۱۴۔ جمال وگے	کریم وگے	۲۵ ″	محلہ شاہ صاحب ″
۱۵۔ رسول شیخ	قادر شیخ	۲۸ ″	کھانتہ بازار ″
۱۶۔ جمہ وانی	صمد وانی	۱۹ ″	گاندہ ناگ ″
۱۷۔ سبحان وانی	وہاب وانی	۳۰ ″	ریشی محلہ ″
۱۸۔ محمد چکن	احد چکن	۳۰ ″	سرنل ″
۱۹۔ رمضان بٹ	رحمان بٹ	۳۰ ″	سرنل ″
۲۰۔ علی محمد ریشی	ولی محمد ریشی	۲۵ ″	محلہ شاہ صاحب ″

نام	ولدیت	عمر	سکونت
۲۱۔ احد میر	غفار میر	۶۰ سال	محلہ شاہ صاحب اسلام آباد
۲۲۔ علی ملک	رسول ملک	۳۰ ″	وانی پورہ پلوامہ
۲۳۔ حبیب بٹ	منبنی خضر بٹ	۲۵ ″	پلوامہ
۲۴۔ محمد خان	امیر خان	۲۸ ″	پلوامہ
۲۵۔ سلہ تولہ	رحمان تولہ	۳۲ ″	(چرار شریف) پلوامہ
۲۶۔ رحمان ڈار	رمضان ڈار	۴۰ ″	سونا ساہل ″
۲۷۔ امیر ڈار	عزیز ڈار	۲۶ ″	آورہ ژار شو ″
۲۸۔ منور ماگرے	لسہ ماگرے	۳۰ ″	آورہ ژار شو ″
۲۹۔ سلطان ملک	نور ملک	۳۲ ″	زاڈورہ ″
۳۰۔ امیر شیخ	محمد شیخ	۳۵ ″	ژاول کھالن ″
۳۱۔ قاسم میر	اکبر میر	۳۰ ″	ہائنز کھل ″
۳۲۔ قادر شیخ	صمد شیخ	۲۳ ″	بڈو باغ ″
۳۳۔ وہاب ڈار	قادر ڈار	۳۴ ″	قاضی پورہ ″
۳۴۔ مسماۃ فریژی	بیوہ رزاق پہرہ	۳۶ ″	بارہمولہ ″
۳۵۔ جلال الدین	احمد دین	۳۳ ″	(اوڑی) بارہمولہ
۳۶۔ حبیب اللہ صراف	مہدہ جو صراف	۳۵ ″	قاضی حمام ″
۳۷۔ غلام رسول ناظر	عبدالعزیز ناظر	۳۵ ″	خوجہ باغ ″
۳۸۔ شیخ احمد اللہ	شیخ عبدالغفار	۳۲ ″	میر محلہ ″
۳۹۔ علی بٹ	صدیق بٹ	۲۷ ″	جلال صاحب ″
۴۰۔ غلام قادر گنائی	غلام محمد گنائی	۳۵ ″	میر صاحب ″
۴۱۔ احد لون	سلطان لون	۳۸ ″	لنگیٹ ہندوارہ
۴۲۔ احد حجام	سلام حجام	۳۹ ″	ہندوارہ
۴۳۔ رسول وانی	مقبول وانی	۶۰ ″	ہندوارہ
۴۴۔ جبار خان	رمضان خان	۳۰ ″	میدان چوم گل

نام	ولدیت	عمر	سکونت
۴۵۔ کمال ڈار	قادر ڈار	۴۰ سال	میدان چوگل ہندوارہ
۴۶۔ رستم خان	احد خان	۳۵ "	ژیرہ پاوہ "
۴۷۔ اسد وانی	منور وانی	۳۰ "	اشکن پور "
۴۸۔ احد شیخ	سبحان شیخ	۳۰ "	وار پورہ "
۴۹۔ وہاب ڈار	لسہ ڈار	۴۰ "	گورہ گھر "
۵۰۔ رحمان میر	سبحان میر	۳۵ "	نیتہ نوس "
۵۱۔ رستم وار	رحیم وار	۲۸ "	زینہ رشی "
۵۲۔ جبار میر	عزیز میر	۳۵ "	ریشی گنڈ "
۵۳۔ احد شوشہ	نورہ شوشہ	۲۹ "	سوپور
۵۴۔ عزیز ماشکی	سبحان ماشکی	۳۵ "	سوپور
۵۵۔ محمد خان	قادر خان	۲۰ "	سوپور
۵۶۔ محمد شیخ	اعظم شیخ	۲۵ "	سوپور
۵۷۔ عبدالقدوس ٹاک	عبدالخالق ٹاک	۵۰ "	شوپیان
۵۸۔ عزیز شاہ	صدیق شاہ	۵۰ "	شوپیان
۵۹۔ محمد ڈار	رشید ڈار	۴۰ "	کلروک گنڈ
۶۰۔ خضر بٹ	لسہ بٹ	۵۰ "	شوپیان
۶۱۔ ساجدہ بانو	زوجہ احسن شاہ	۳۵ "	شوپیان
۶۲۔ سبحان ڈار	جمہ ڈار	۳۳ "	بجبہاڑہ
۶۳۔ حبیب مرازی	سلطان مرازی	۳۵ "	بجبہاڑہ
۶۴۔ حبیب ڈار	شعبان ڈار	۳۲ "	کتری تن
۶۵۔ رحمان آہنگر	سلطان آہنگر	۵۰ "	بونہ گام
۶۶۔ جبار گنائی	قادر گنائی	۳۳ "	وٹلب
۶۷۔ قادر بیگ	اقبال	۶۰ "	اوڑی
۶۸۔ عبلی نجار	لسہ نجار	۳۴ "	اوم پورہ بڈگام

نام	ولدیت	عمر	سکونت
۶۹۔ عبدالرحیم ڈار	سبحان	۳۰ سال	ہائے گام۔

شہدائے کشمیر کی یہ لسٹ نامکمل ہے۔ اس لئے کہ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق تحریک میں مرنے والوں کی تعداد ڈیڑھ سو کے قریب ہے جبکہ غیر سرکاری اطلاع اس سے کہیں زیادہ ہے۔ بہرحال جتنے نام دریافت ہو سکے ہیں۔ اُن کو تاریخ میں زندہ جاوید کرنے میں ہم نے اپنی طرف سے حتی المقدور کوشش کی ہے۔ یہ جان کر بھی کہ اکثر شہداء کے سینوں کے بجائے کمر پر گولیاں لگی تھیں اور بعض اچھی شہرت نہیں رکھتے۔ کئی تو نامور مجرم بھی تھے۔



مولوی یوسف شاہ شہدائے کشمیر کا جنازہ پڑھا رہے ہیں



مجاہدینِ آزادی کے جسموں پر کوڑوں کے نشانات

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی تھا

مہاراجہ ہری سنگھ اور کشمیر ایکارڈ

جولائی ۱۹۳۱ء کے خونی واقعات کے بعد ریاست جموں وکشمیر میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک خونریزی، بدامنی، تصادم، ٹکٹکی، پتھراؤ، جلسے جلوس، ہڑتالیں اور گرفتاریوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا۔ حکومت کے خلاف لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے اور مسلم رہنماؤں کی طرف سے باضابطہ بغاوت شروع کی گئی۔ حالات روز بروز بگڑتے گئے۔ حکومت کی طرف سے اس شورش کو دبانے کے لئے مختلف حربے آزمائے گئے جو ایک ایک کر کے سب ہی ناکام ہوگئے۔

ان حالات پر قابو پانے کے لئے ڈوگرہ فوج کی طرف سے چوراہوں پر لوگوں کو عبرتناک سزائیں دینے کے لئے ٹکٹکی لگائی گئی۔ انھیں ہاتھ کھڑا کر کے چلنے، گھٹنوں کے بل رینگنے اور پیٹ کے بل چلنے کو کہا گیا۔ اس بربریت کے خلاف ملک کے کئی اطراف سے مہاراجہ کو ملامت کا شکار ہونا پڑا۔

برٹش سرکار نے اس ننگی جارحیت کی شدید مذمت کی۔

ہندوستان کی کئی مسلم اور غیر مسلم تنظیموں نے اس کے خلاف احتجاج کیا۔

برگزیدہ مسلم علماء، روساء اور دیگر اکابرین نے کشمیری مظلومین پر ڈوگرہ راج کی اس کاروائی پر سخت احتجاج کیا۔ علامہ ڈاکٹر اقبالؒ کی تجویز پر "آل کشمیر کمیٹی" بنائی گئی جس کی سربراہی مرزا بشیرالدین محمود کے سپرد کی گئی۔ اس طرح مرزائیوں کی ایک جمعیت کشمیر کمیٹی میں شامل ہوگئی۔ مرزائیوں کے ساتھ ساتھ احراریوں نے بھی کشمیری مظلومین کے خلاف ڈوگرہ شاہی کی کاروائی پر نہ صرف صدائے احتجاج بلند کیا بلکہ ڈوگرہ راج سے اس خونِ ناحق کا بدلہ لینے کے